﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴾

انصارالدین

جلد 10 نمبر 3
مئی تا جون 2013ء

فہرست مضامین

انصاراللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظامِ خلافت کی حفاظت کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاءاللہ تعالیٰ)

صدر مجلس انصاراللہ
چودھری وسیم احمد
مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر شمیم احمد
مدیر: محمود احمد ملک
نائبین: حبیب الرّحمٰن غوری، صفدر حسین عباسی، عبدالحفیظ شاھد
مینیجر: محمود علی مرزا
ترسیل: فیاض احمد ملھی (انچارج)
زاھد احمد باجوہ، شھباز احمد، ارشد محمود، ادریس احمد بٹر، محمد اختر، میاں اخلاق احمد، رانا ظہور احمد

مجلس انصاراللہ برطانیہ کا

سالانہ اجتماع و مجلس شوریٰ

مجلس انصاراللہ برطانیہ کا سالانہ اجتماع اور مجلس شوریٰ 27 تا 29 ستمبر 2013ء (بروز جمعۃ المبارک، ہفتہ اور اتوار) بمقام مسجد بیت الفتوح لندن منعقد ہوگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ

تمام انصار بھائیوں سے درخواست ہے کہ شمولیت کو بروقت یقینی بنانے کے لئے ابھی سے تیاری شروع کردیں۔ پروگرام کا آغاز بروز جمعہ صبح دس بجے ہوگا۔

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5HF   e-mail address: ansaruddinuk@hotmail.com

درس القرآن

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِھَا۔ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا (النساء:۵۹)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حقداروں کے سپرد کیا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان حکومت کرو تو انصاف کے ساتھ حکومت کرو۔ یقیناً بہت ہی عمدہ ہے جو اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بہت سننے والا (اور) گہری نظر رکھنے والا ہے۔

علامہ فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مومنوں کو تمام امور میں امانتوں کو ادا کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ خواہ وہ امور مذہب کے معاملات میں ہوں یا دنیوی امور اور معاملات کے بارہ میں۔ اُن کے نزدیک انسان کا معاملہ یا تو اپنے رب کے ساتھ ہوتا ہے یا بنی نوع انسان کے ساتھ یا اپنے نفس کے ساتھ اور ان تینوں اقسام میں امانت کے حق کی رعایت رکھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

آپ اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے معاملات میں امانت کی رعایت کرنے کا تعلق ہے تو اس کا تعلق ان افعال کے ساتھ ہے جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یا جن افعال کے کرنے سے منع کیا گیا ہے ان کو ترک کرنے کے ساتھ۔ پھر کہتے ہیں کہ جہاں تک زبان کی امانت کا تعلق ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی زبان کو کذب بیانی، غیبت، چغل خوری، نافرمانی، بدعت اور فحش کے لئے نہ استعمال کرے۔ اور آنکھ کی امانت یہ ہے کہ انسان آنکھ کو حرام کی طرف دیکھنے میں استعمال نہ کرے اور کانوں کی امانت یہ ہے کہ انسان ان کو بیہودہ کلامی اور ایسی باتوں کے سننے میں استعمال نہ کرے جن سے منع کیا گیا ہے۔ نیز فحش کلامی اور جھوٹی باتوں کے سننے سے پرہیز کرے۔

پھر دوسری بات لکھتے ہیں کہ: جہاں تک امانت کا تمام مخلوقات کو ادا کرنے کا تعلق ہے اس میں ماپ تول میں کمی کو ترک کرنا، اور یہ کہ لوگوں میں ان کے عیوب نہ پھیلائے جائیں اور امراء اپنی رعیت کے ساتھ عدل سے فیصلے کریں۔ عوام الناس کے ساتھ علماء کے عدل سے مراد یہ ہے کہ وہ عوام کو باطل تعصّبات پر نہ ابھاریں بلکہ وہ ایسے اعتقادات اور اعمال کے بارہ میں ان کی ایسی رہنمائی کریں جو ان کی دنیا اور آخرت میں ان کے لئے نفع رساں ہوں............

پھر تیسری بات لکھتے ہیں کہ جہاں تک امانت کا تعلق انسان کے اپنے نفس کے بارہ میں ہے تو وہ یہ ہے کہ انسان اپنے لئے صرف وہی پسند کرے جو زیادہ نفع رساں اور زیادہ مناسب ہو اس کے دین کے لئے اور دنیا کے لئے۔ اور یہ کہ وہ اپنی خواہشات کا تابع ہو کر یا غضبناک ہو کر کوئی ایسا فعل نہ کرے جو اس کو آخرت میں تکلیف پہنچائے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اُس سے اُس کی رعیت کے بارہ میں دریافت کیا جائے گا۔ ارشاد الٰہی ﴿یَأْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِھَا﴾ میں یہ سب باتیں داخل ہیں۔ (تفسیر کبیر رازیؒ)

(از خطبہ جمعہ 8 اگست 2003ء)

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امانتیں ضائع ہونے لگیں تو قیامت کا انتظار کرنا۔ سائل نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کے ضائع ہونے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: جب نااہل لوگوں کو حکمران بنایا جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ (بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب رفع الامانۃ)

پھر طبرانی کبیر میں یہ روایت آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس میں امانت نہیں، اس میں ایمان نہیں جس کو عہد کا پاس نہ ہو اس میں دین نہیں، اُس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کسی بندے کا اُس وقت تک دین درست نہ ہو گا جب تک اُس کی زبان درست نہ ہو۔ اور اُس کی زبان درست نہ ہو گی جب تک اُس کا دل درست نہ ہو گا۔ اور جو کوئی کسی ناجائز کمائی سے کوئی مال پائے گا اور اُس میں سے خرچ کرے گا تو اُس کو اُس میں برکت نہیں دی جائے گی، اور اگر اُس میں سے خیرات کرے گا تو قبول نہیں ہو گی اور جو اُس میں سے بچ رہے گا وہ اُسے دوزخ کی طرف لے جانے کا موجب ہو گا۔ بُری چیز بُری چیز کا کفارہ نہیں بن سکتی ہے، البتہ اچھی چیز اچھی چیز کا کفارہ ہوتی ہے۔ (کنز العمال۔ جلد ۲ صفحہ ۱۵)

ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے عہدیداران کو، کارکنان کو کہ عہدہ بھی ایک عہد ہے، خدمت بھی ایک عہد ہے جو خدا اور اس کے بندوں سے ایک کارکن، ایک عہدیدار، اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے کرتا ہے۔ اگر ہر عہدیدار یہ سمجھنے لگ جائے کہ نہ صرف قول سے بلکہ دل کی گہرائیوں سے اس بات پر قائم ہو کہ خدمت دین ایک فضل الٰہی ہے۔ میری غلط سوچوں سے یہ فضل مجھ سے کہیں چھن نہ جائے تو ہماری ترقی کی رفتار اللہ تعالیٰ کے فضل سے کئی گنا بڑھ سکتی ہے۔ ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے، ایک سوچنے کا مقام ہے کہ امانت ایمان کا حصہ ہے، اگر امانت کی صحیح ادائیگی نہیں کر رہے، اگر اپنے عہد پر صحیح طرح کاربند نہیں، جو حدود تمہارے لئے متعین کی گئی ہیں ان میں رہ کر خدمت انجام نہیں دے رہے تو اس حدیث کی رُو سے ایسے شخص میں دین ہی نہیں اور دین کو درست کرنے کے لئے اپنی زبان کو درست کرنا ہو گا۔ اور فرمایا کہ زبان اس وقت تک درست نہ ہو گی جب تک دل درست نہ ہو گا۔ اور پھر ایک کڑی سے دوسری کڑی ملتی چلی جائے گی۔ تو حسین معاشرے کو قائم رکھنے کے لئے ان تمام امور کی درستگی ضروری ہے۔

......ایسے عہدیدار جو پورے تقویٰ کے ساتھ خدمت سرانجام دیتے ہیں اور دے رہے ہیں ان کے لئے ایک حدیث میں جو مَیں پڑھتا ہوں، ایک خوشخبری ہے۔ حضرت ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمان جو مسلمانوں کے اموال کا نگران مقرر ہوا اگر وہ امین اور دیانتدار ہے اور جو اسے حکم دیا جاتا ہے اسے صحیح صحیح نافذ کرتا ہے اور جسے کچھ دینے کا حکم دیا جاتا ہے اسے پوری بشاشت اور خوش دلی کے ساتھ اس کا حق سمجھتے ہوئے دیتا ہے تو ایسا شخص بھی عملاً صدقہ دینے والے کی طرح صدقہ دینے والا شمار ہو گا۔ (مسلم کتاب الزکوٰۃ)

(از خطبہ جمعہ 8 اگست 2003ء)

امام الکلام، کلام الامام علیہ الصلوٰۃ والسلام

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام احباب جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان کسی کا مقابلہ کرتا ہے تو اسے کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا ہے جیسے مقدمات میں ہوتا ہے۔ اس لیے آرام اسی میں ہے کہ تم ایسے لوگوں کا مقابلہ ہی نہ کرو۔ سدّ باب کا طریق رکھو اور کسی سے جھگڑا مت کرو۔ زبان بند رکھو۔ گالیاں دینے والے کے پاس سے چپکے سے گزر جاؤ گویا سنا ہی نہیں اور ان لوگوں کی راہ اختیار کرو جن کے لئے قرآن شریف نے فرمایا ہے وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۔ اگر یہ باتیں اختیار کرلوگے تو یقیناً یقیناً اللہ تعالیٰ کے سچے مخلص بن جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی رپورٹ کی حاجت نہیں۔ وہ خود دیکھتا ہے اور سنتا ہے اگر تم تین ہو تو چوتھا خدا ہوتا ہے۔ اس لیے خدا کو اپنا نمونہ دکھاؤ۔

اگر تمہارے نفسانی جوش اور بدزبانیاں ایسی ہیں جیسے تمہارے دشمنوں کی ہیں پھر تم ہی بتاؤ کہ تم میں اور تمہارے غیروں میں کیا فرق اور امتیاز ہوا؟ تمہیں تو چاہئے کہ ایسا نمونہ دکھاؤ کہ جو مخالف خود شرمندہ ہوجاوے۔ بڑا ہی عقلمند اور حکیم وہ ہے جو نیکی سے دشمن کو شرمندہ کرتا ہے۔...... بتاؤ کہ کیا یہ اطاعت کا کام ہے کہ دشمن کا ایسا دشمن بنے کہ جب تک اسے پیس نہ لے اور تکلیف اور دکھ نہ پہنچالے صبر ہی نہ کرے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ انسانی فطرت میں یہ بات ہے کہ گالی سے مشتعل ہوجاتا ہے مگر اس سے ترقی کرنی چاہئے۔ جو دکھ دیتے ہیں انہیں سمجھو کہ وہ کچھ چیز نہیں۔ اگر تم پر خدا راضی ہے۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ ناراض ہے تو خواہ ساری دنیا تم سے خوش ہو وہ بے فائدہ ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ اگر تم مداہنہ سے دوسری قوموں کو ملو تو کامیاب نہیں ہو سکتے۔ خدا ہی ہے جو کامیاب کرتا ہے اگر وہ راضی ہے تو ساری دنیا ناراض ہو تو پروا نہ کرو۔ ہر ایک جو اس وقت سنتا ہے یاد رکھے کہ تمہارا ہتھیار دعا ہے اس لیے چاہئے کہ دعا میں لگے رہو۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 132-131۔ ایڈیشن 2003ء)

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جماعت کے مخالف علماء کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مَیں محض نصیحتاً للہ مخالف علماء اور ان کے ہم خیال لوگوں کو کہتا ہوں کہ گالیاں دینا اور بد زبانی کرنا طریقِ شرافت نہیں ہے۔ اگر آپ لوگوں کی یہی طینت ہے تو خیر آپ کی مرضی۔ لیکن اگر مجھے آپ لوگ کاذب سمجھتے ہیں تو آپ کو یہ بھی تو اختیار ہے کہ مساجد میں اکٹھے ہو کر یا الگ الگ میرے پر بد دعائیں کریں اور رو رو کر میرا استیصال چاہیں۔ پھر اگر مَیں کاذب ہوں گا تو ضرور وہ دعائیں قبول ہو جائیں گی اور آپ لوگ ہمیشہ دعائیں کرتے بھی ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ اگر آپ اس قدر دعائیں کریں کہ زبانوں میں زخم پڑ جائیں اور اس قدر رو رو کر سجدوں میں گریں کہ ناک گھس جائیں اور آنسوؤں سے آنکھوں کے حلقے گل جائیں اور پلکیں جھڑ جائیں اور کثرتِ گریہ وزاری سے بینائی کم ہو جائے اور آخر دماغ خالی ہو کر مرگی پڑنے لگے یا مالیخولیا ہو جائے تب بھی وہ دعائیں سُنی نہیں جائیں گی کیونکہ مَیں خدا سے آیا ہوں۔ جو شخص میرے پر بد دعا کرے گا وہ بد دعا اسی پر پڑے گی جو شخص میری نسبت یہ کہتا ہے کہ اُس پر لعنت ہو وہ لعنت اُس کے دل پر پڑتی ہے مگر اس کو خبر نہیں۔"

(اربعین 4۔ روحانی خزائن جلد نمبر 17 صفحہ 472-471)

کس کے آگے ہم کہیں اس دردِ دل کا ماجرا
اُن کو ہے ملنے سے نفرت بات سننا درکنار
کیا کروں کیونکر کروں میں اپنی جاں زیرو زبر
کس طرح میری طرف دیکھیں جو رکھتے ہیں نقار
اِس قدر ظاہر ہوئے ہیں فضلِ حق سے معجزات
دیکھنے سے جن کے شیطاں بھی ہوا ہے دلفگار
پر نہیں اکثر مخالف لوگوں کو شرم و حیا
دیکھ کر سو سو نشاں پھر بھی ہے توہیں کاروبار
صاف دل کو کثرتِ اعجاز کی حاجت نہیں
اِک نشاں کافی ہے گر دل میں ہے خوفِ کردگار

(درثمین، صفحہ: 127-128)

فرمودات

سیّدنا حضرت خلیفۃالمسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

عہدیداران کو نصائح

''پھر آخر میں خلاصۃً دوبارہ بیان کر دیتا ہوں کہ جو باتیں مَیں نے کہی ہیں عہدیداران کے لئے اور یہ خلفائے سلسلہ کہتے چلے آئے ہیں پہلے بھی لیکن ایک عرصہ گزرنے کے بعد بعض باتیں یاد نہیں رہتیں۔ جو نئے آنے والے عہدیداران ہوتے ہیں جو نہیں سمجھ رہے ہوتے صحیح طرح اس لئے بار بار یاددہانی کروانی پڑتی ہے۔تو خلاصۃً یہ باتیں ہیں:

(۱)......عہدیداران پر خود بھی لازم ہے کہ اطاعت کا اعلیٰ نمونہ دکھائیں اور اپنے سے بالا افسر یا عہدیدار کی مکمل اطاعت اور عزت کریں۔ اگر یہ کریں گے تو آپ کے نیچے جو لوگ ہیں، افراد جماعت ہوں یا کارکنان، آپ کی مکمل اطاعت اور عزت کریں گے۔

(۲)...... یہ ذہن میں رکھیں کہ لوگوں سے نرمی سے پیش آنا ہے۔ان کے دل جیتنے ہیں، ان کی خوشی غمی میں ان کے کام آنا ہے۔ اگر آپ یہ فطری تقاضے پورے نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے عہدیدار کے دل میں تکبر پایا جاتا ہے۔

(۳)......امراء اور عہدیداران یا مرکزی کارکنان یہ دعا کریں کہ ان کے ماتحت یا جن کا ان کو نگران بنایا گیا ہے، شریف النفس ہوں، جماعت کی اطاعت کی روح ان میں ہو اور نظام جماعت کا احترام ان میں ہو۔

(۴)......کبھی کسی فرد جماعت سے کسی معاملہ میں امتیازی سلوک نہ کریں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ بعض لوگ بڑے ٹیڑھے ہوتے ہیں۔ مجھے علم ہے کہ امراء کے، عہدیداران کے، یا نظام جماعت کے ناک میں دم کیا ہوتا ہے ایسے لوگوں نے لیکن پھر بھی ان کی بدتمیزیوں کو جس حد تک برداشت کر سکتے ہیں کریں اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف پر کسی قسم کا شکوہ نہ کریں، بدلہ لینے کا خیال بھی کبھی دل میں نہ آئے۔ان کے لئے دعا کریں، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔

(۵)......پھر یہ کہ نظام جماعت کا استحکام اور حفاظت سب سے مقدم رہنا چاہئے اور اس کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ پھر کبھی اپنے گرد 'جی حضوری' کرنے والے یا خوشامد کرنے والے لوگوں کو اکٹھا نہ ہونے دیں۔ جن عہدیداروں پر ایسے لوگوں کا قبضہ ہو جاتا ہے پھر ایسے عہدیداران سے انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ایسے عہدیدار پھر ان لوگوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن جاتے ہیں۔تبھی تو آنحضرت ﷺ نے اس دعا کی تلقین فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی بُرے مشیر میرے اردگرد اکٹھے نہ کرے۔

(۶)......پھر یہ بھی یاد رکھنے والی بات ہے جیسا کہ مَیں بیان بھی کر چکا ہوں کہ جہاں نظام جماعت کے تقدس پر حرف نہ آتا ہو، عفو اور احسان کا سلوک کریں۔ان کے لئے مغفرت مانگیں جو ان کی اصلاح کا موجب بنے۔

یہ تو عہدیداران کے لئے ہے لیکن آخر میں مَیں پھر احباب جماعت کے لئے ایک فقرہ کہہ دیتا ہوں کہ آپ پر بھی، جو عہدیدار نہیں ہیں، ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کا کام صرف اطاعت، اطاعت اور اطاعت ہے اور ساتھ دعا کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذمہ واریاں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ 5 دسمبر 2003ء)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

(داؤد احمد عابد۔ استاد جامعہ احمدیہ، یوکے)

آنحضورﷺ کے صحابہ جو کہ سب کے سب آسمان روحانی کے ستارے تھے اور اس بات کے اہل تھے کہ ان کی اقتداء کی جائے، عشرہ مبشرہ ان اصحاب میں سے بھی وہ دس عظیم الشان لوگ تھے جو آنحضورﷺ کی محبت میں مر مٹے تھے، یہی وجہ ہے کہ اس آخری زمانہ میں جب ملائے اعلیٰ میں یہ طے ہو رہا تھا کہ اصلاح زمانہ کا عظیم کام کس کے سپرد کیا جائے تو جو ایک صفت اس انتخاب کا باعث بنی وہ حب رسولﷺ تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ الہام ہوا جس کے معنیٰ یہ تھے کہ ملائے اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں۔ یعنی ارادۂ الٰہی احیاءِ دین کے لئے جوش میں ہے لیکن ہنوز ملاءِ اعلیٰ پر شخص محیی کی تعیین ظاہر نہیں ہوئی اس لئے وہ اختلاف میں ہے۔

اسی اثناء خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک محیی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اس نے کہا:

هَذَا رَجُلٌ يُحِبُّ رَسُولَ اللّٰهِ

یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ سے محبت رکھتا ہے۔

اور اس قول سے یہ مطلب تھا کہ شرط اعظم اس عہدہ کی محبت رسول ہے سو وہ اس شخص میں متحقق ہے''۔

(براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ در حاشیہ نمبر 3 صفحہ 503۔ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 598)

تو درحقیقت یہی وہ وصف تھا جو ان لوگوں کو عظیم لوگوں میں سے بھی اعلیٰ ترین مقام دے گیا۔

محبت رسول میں فنا ہو کر بقا پانے والے ان عظمت کے میناروں میں مستجاب الدعوات حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بھی شامل تھے، آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت نعجہ بن ملیح الخزاعیہ تھا۔

دین ابراہیم پر قائم باپ

آپ کے والد ماجد زید بن عمرو حضرت عمر کے چچا زاد بھائی تھے، انہوں نے بعثت سے قبل آنحضورﷺ کو دیکھا تھا مگر زندگی نے وفا نہ کی اور بعثت نبوی سے قبل وفات پا گئے، اس کے باوجود یہ توحید پرست تھے اور دین ابراہیم پر قائم تھے، اس ضمن میں انہوں نے شام کا سفر کیا اور یہود و نصاریٰ سے ملے، مگر انہیں ان میں وہ بات نہ ملی جسے وہ تلاش کر رہے تھے، سو دعا کی: "اَللّٰهُمَّ اِنِّي عَلىٰ دِينِ اِبْرَاهِيم"، ''اے اللہ میں دین ابراہیم پر قائم ہوں''۔ حضرت سعید نے ایک مرتبہ آنحضورﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جیسا کہ آپ نے دیکھا اور آپ میرے والد صاحب کو جانتے ہیں، اگر وہ آپ کے زمانہ نبوت کو پاتے تو ضرور آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی پیروی کرتے، اس لئے ان کے لئے مغفرت طلب کرنے کی استدعا ہے، آپ نے فرمایا: ہاں!، پھر آپﷺ نے ان کے لئے مغفرت کی دعا کی اور فرمایا: '' فَاِنَّهٗ يُبْعَثُ أُمَّةً وَحْدَه'' کہ وہ اکیلے ایک امت کے طور پر اٹھائے جائیں گے۔

حضرت عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میں زید بن عمرو سے مکہ کے باہر ملا، وہ غار حراء کو جا رہے تھے، انہوں نے مجھے دیکھا تو کہا کہ دیکھو میں نے اپنی قوم کو چھوڑتے ہوئے دین ابراہیم کی پیروی اختیار کی ہے، میں بنی اسماعیل میں عبد المطلب کی اولاد میں سے ایک نبی کے آنے کا منتظر ہوں، مجھے نہیں لگتا کہ میں اسے پاسکوں اور اس پر ایمان لا کر اس کی تصدیق کر کے اس کے نبی ہونے کی گواہی دے پاؤں، لیکن اگر تم اسے پاؤ تو اس کو میرا سلام کہنا۔ عامر کہتے ہیں جب میں ایمان لایا تو آنحضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپﷺ کو زید بن عمرو کا سلام پہنچایا تو آنحضورﷺ نے سلام کا جواب دیا اور ان کے لئے رحمت کے نزول کی دعا کی اور فرمایا کہ میں نے انہیں جنت میں اپنے کپڑے سمیٹتے ہوئے دیکھا ہے، یعنی بڑا فاخرانہ لباس وہاں ان کو عطا ہے۔

آپ زندہ درگور کئے جانے والی لڑکیوں کو بچانے کی سرتوڑ کوشش فرماتے، جو اپنی بچی کو زندہ درگور کرنا چاہتا تو اسے سمجھاتے بجھاتے، پھر کہتے کہ میں اس کا خرچہ اٹھانے کو تیار ہوں، اگر اس پر بھی نہیں مانتے تو بچی مجھے دے دو، پھر جب وہ بچی بڑی ہوتی تو اس سے پوچھتے کہ اگر تم چاہو تو اپنی بچی واپس لے لو، ورنہ میں اس کا خرچہ جاری رکھتا ہوں۔ خدا کیا اس نیک بندہ کے گھر بائیس قبل ہجرت کو ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اس کی قسمت اور فطرت کی طرح سعید رکھا گیا۔

مناقب حضرت سعید

ان پاک حالات میں پروان چڑھنے والے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل عین اپنے عنفوان شباب میں ایمان لائے، یعنی آپ السابقون الاولون میں سے تھے۔ بدر کے سوا تمام غزوات میں آنحضورﷺ کے ساتھ رہے، اور داد شجاعت دی۔ بدر کی جنگ میں رسول اللہﷺ نے آپ کو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت قریش کے تجارتی قافلہ کی خبر لانے کے لئے ارسال فرمایا تھا اس لئے آپ دونوں کو بدر کے مال غنیمت میں سے حصہ دیا گیا۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ حضرت سعید کی عمر اس وقت صرف بیس بائیس سال کے لگ بھگ تھی، آنحضورﷺ کا آپ پر اس عنفوان شباب میں اعتبار آپ کی علو مرتبت کا غماز ہے۔

آپ کی اہلیہ محترمہ فاطمۃ بنت الخطاب اُم جمیل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ اور آپ کی ہمشیرہ حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ سمیت ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کی توفیق پائی۔ آنحضورﷺ نے حضرت سعید اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ

عنہما کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی۔

ایمانِ عمر ثمرۂ استجابتِ دعاء رسولِ کریم ﷺ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ ہی کے ذریعہ سے ایمان لائے تھے، حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر ایک دن اپنی تلوار لٹکائے گھر سے روانہ ہوئے، آپ کو بنی زہرہ کا ایک شخص ملا اور پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے جواب دیا کہ میں محمد (ﷺ) کو قتل کرنے جا رہا ہوں، اس شخص نے کہا کہ اگر تم نے محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا تو تم بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے امن میں رہو گے؟! حضرت عمر نے کہا کہ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم بھی صابی یعنی مسلمان ہو گئے ہو، اور اپنے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ اے عمر میں تمہیں اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز بات نہ بتاؤں؟! آپ کے برادر نسبتی اور ہمشیرہ مسلمان ہو گئے ہیں اور انہوں نے آپ کے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ اس پر حضرت عمر وہاں سے چلے اور اپنی بہن کے ہاں پہنچے، اس وقت وہاں حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، انہوں نے جب حضرت عمر کی آواز سنی تو چھپ گئے، حضرت عمر نے پوچھا کہ یہ کیا آوازیں آ رہی تھیں؟! وہ لوگ اس وقت سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کر رہے تھے، حضرت عمر نے پوچھا کہ لگتا ہے تم صابی ہو گئے ہو! حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر اگر حق تمہارے دین کے باہر ہو تو۔۔۔؟! اس پر حضرت عمر ان پر پل پڑے اور ان کو پکڑ کر رگیدا، حضرت عمر کی بہن بیچ بچاؤ کروانے آگے بڑھیں، حضرت عمر نے اپنے ہاتھ سے انہیں دور کرنا چاہا مگر ہاتھ ان کو سختی سے لگا اور ان کے چہرہ سے خون بہنا شروع ہو گیا، اور انہوں نے پر رعب آواز میں کہا کہ اے عمر اگر حق تمہارے دین کے باہر ہو! اور ساتھ ہی کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے ایمان کا اعلان کر دیا، ایک طرف بہن کا خون اور دوسری طرف ان دونوں کا عزم صمیم حضرت عمر کو نرم کر گیا، وہ جو گھر سے کچھ کر کے آنے کا ارادہ لے کر نکلا تھا کہ آج فیصلہ کر کے ہی لوٹوں گا خود اس کی قسمت کا فیصلہ ہونے کو تھا۔ حضرت عمر نے کہا کہ اچھا پھر مجھے دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے تاکہ میں بھی تو دیکھوں کہ وہ کیا ہے! اس پر آپ کی بہن نے کہا کہ وہ پاک کلام ہے اسے صرف پاک لوگ ہی پڑھ سکتے ہیں، اس لئے نہا دھو لو تو مل سکتا ہے، اب نہانے دھونے سے رہا سہا غصہ بھی کافور ہو گیا، حضرت عمر جو اس وقت کے چند پڑھے لکھے سرداروں میں سے تھے جب انہوں نے سورۃ طہٰ کی ابتدائی آیات کہ اے کامل قوتوں والے مرد ہم نے تجھ پر قرآن کریم اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو شقی ہو جائے، بلکہ یہ تو اس کے لئے بطور یاد دہانی کے ہے جو اللہ تعالیٰ کی خشیت اپنے دل میں رکھتا ہے...... یہاں تک کہ آیا " اِنَّنِی اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَافَاعْبُدْنِی وَاَقِمِ الصَّلَاۃَ لِذِکْرِی " کہ حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو میری عبادت کرو اور مجھے یاد کرنے کو نماز قائم کرو۔

حضرت عمر جو فصاحت و بلاغت کے دلدادہ تھے اس کلام کی لطافت سے گھائل ہو کر فوراً آنحضور ﷺ کی خدمت میں جانے کو بیتاب ہو گئے، اور کہا کہ مجھے حضور ﷺ کے حضور میں لے چلو! یہ سن کر حضرت خباب نکلے اور فرمایا: اے عمر خوشخبری ہو! میں یہی امید کرتا تھا کہ تم آنحضور ﷺ کی دعا کا ثمرہ ہو گے جو آپ نے جمعرات کے دن کی تھی: اَللّٰهُمَّ أعزَّ الاِسْلَامَ بِعُمَر بنِ الخَطَّابِ أو بِعَمْرِو بنِ هِشَامٍ. یعنی اے اللہ اسلام کو عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام سے معزز فرما دے۔ سو حضرت عمر اس حویلی کی طرف چلے جہاں آنحضور ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ موجود تھے جن میں سے چند جاں نثاران جن میں حضرت حمزہ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل تھے پہرہ دے رہے تھے، حضرت حمزہ نے جب عمر کو دور سے آتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر تو ارادہ نیک ہے کہ ایمان لا کر آنحضور ﷺ کے پیرو کاروں میں داخل ہونا ہے تو ٹھیک، ورنہ اس کی آج خیر نہیں! آنحضور ﷺ پر اس وقت وحی نازل ہو رہی تھی، جب وحی کی حالت جاتی رہی تو آپ باہر تشریف لائے، اور عمر کے گریبان سے پکڑتے ہوئے پوچھا کہ عمر! کیا تم باز آؤ گے یا تمہارا بھی وہی انجام ہو جو ولید بن مغیرہ کا ہوا تھا؟ پھر آپ نے دعا کی کہ اے اللہ اسلام کو عمر بن خطاب سے عزت بخش! اس پر حضرت عمر نے کلمہ تشہد پڑھا اور ایمان لے آئے۔

سو وہ گھر جس سے اسلام کو عمر بن خطاب کے ایمان سے عزت ملی وہ حضرت سعید بن زید اور آپ کی اہلیہ محترمہ فاطمہ بنت خطاب ام جمیل کا گھر تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام لانا کوئی معمولی بات نہیں تھی کیونکہ ایک تو آپ آنحضور ﷺ کی استجابت دعا کا پھل تھے بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت عمر ایمان لائے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضور ﷺ کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ یا رسول اللہ خوش ہو جائیں کہ اہل سماء حضرت عمر کے اسلام سے خوش ہیں۔ یہیں پر بس نہیں بلکہ مشرکین کو جب اس عظیم واقعہ کی خبر ملی تو انہوں نے برملا کہا کہ آج ہم نصف رہ گئے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان جو اس سے قبل چھپ کر نماز ادا کرتے تھے، اعلانیہ عبادت کرنے لگ گئے۔

زہد و قناعت

حضرت سعید کو آنحضور ﷺ کی معیت میں جملہ غزوات میں شمولیت اور بہادری کے جوہر دکھلانے کی سعادت ملی، آپ ﷺ کے بعد بھی خلفائے راشدین کے دور میں بھی آپ اپنا تن من دھن اسلام کی ترقی اور نشر و اشاعت کے لئے لٹاتے رہے، جب حضرت عمر نے حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما سے آپ کے احوال کی نسبت پوچھا، تو انہوں نے جواباً لکھا: جہاں تک آپ کے بھائیوں سعید بن زید اور معاذ بن جبل کا تعلق ہے تو وہ ویسے ہی ہیں جیسا کہ آپ انہیں جانتے ہیں، بلکہ سرداری نے انہیں زہد و قناعت میں مزید بڑھا دیا ہے۔

پہلے مسلمان والیٔ دمشق

فتح دمشق کے وقت جب حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح کا یقین ہو گیا تو آپ نے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں کا والی مقرر فرما دیا، اس اعتبار سے آپ دمشق کے پہلے مسلمان والی تھے، مگر آپ کو نہ مال کی طلب تھی نہ جاہ و جلال اور سلطنت و حکومت اور مناصب کی، جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اردن میں جہاد کر رہے تھے تو انہوں نے انہیں خط لکھا اور کہا کہ مجھے جہاد میں شامل ہونے کا شوق ہے اگر آپ مجھے اس میں شامل ہونے کی اجازت دیں اور ولایت کا منصب کسی اور کے سپرد کر دیں تو مناسب ہوگا۔ حضرت ابوعبیدہ نے آپ کی رائے کا احترام کیا اور آپ کو اپنے ساتھ جہاد میں پھر سے شامل فرما لیا۔

جنگ یرموک اور آپ کا جذبۂ شہادت

جنگ یرموک اسلامی فتوحات میں ایک بہت بڑی فتح تھی، آیئے اس کا احوال حضرت سعید کی زبانی سنتے ہیں، فرماتے ہیں:

یرموک کے دن ہم چوبیس ہزار کے قریب تھے جبکہ رومیوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی، وہ اپنے بھاری بھرکم فوجی طمطراق سمیت یوں حرکت کر رہے تھے جیسے کوئی خفیہ ہاتھ انہیں دھیرے دھیرے ایک پہاڑ کی طرح آگے کو سرکا رہا ہو، ان کے مقدمہ میں ان کے پادری، بشپ اور مذہبی لوگ تھے جو صلیبیں اٹھائے مذہبی کلمات دہراتے آگے بڑھ رہے تھے جنہیں فوج ان کے پیچھے دہرا رہی تھی جس سے ایسی گونج پیدا ہو رہی تھی جیسے بجلی کا کڑکا ہو، مسلمانوں کے اوپر ان کی کثرت اور اس انداز کی دھاک بیٹھ رہی تھی، اس پر حضرت ابوعبیداللہ نے مسلمانوں میں کھڑے ہو کر خطاب فرمایا اور انہیں جہاد کی ترغیب دلائی، مسلمان فوج میں سے ایک شخص نکلا، اور حضرت ابوعبیدہ سے عرض کیا کہ میں نے ایک خاص عزم کیا ہے، اگر آپ نے آنحضورﷺ کو کوئی پیغام پہنچانا ہو تو بتا دیں، انہوں نے کہا کہ ہاں! آنحضور ﷺ کو میرا اور مسلمانوں کا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ یا رسول اللہ یقیناً ہم نے تمام وہ وعدے جو ہمارے رب نے ہم سے کئے تھے انہیں حق پایا ہے۔

حضرت سعید فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات سنتے ہی دیکھا کہ حضرت ابوعبیدہ نے اپنی تلوار سونتی اور دشمن سے بھڑنے کو تیار ہوئے، اسی لمحہ میں زمین پر جھکا، اپنے گھٹنے زمین پر ٹکائے اور اپنے نیزہ سے دشمن پر وار کرتے ہی دشمن کی طرف بھاگا اور حملہ کر دیا، بس پھر کیا تھا، جیسے اللہ تعالیٰ نے دشمن کا خوف ہمارے دلوں سے کھینچ باہر نکال دیا ہو، مسلمان فوج نے بے جگری سے حملہ کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح سے ہمکنار فرما دیا۔

اس واقعہ سے یہ بتانا مقصود نہیں ہے کہ خدانخواستہ صحابہ کو قتل وغارت گری کا شوق تھا، یا انہیں جہاں بانی ستاتی تھی، کیونکہ اگر سامنے پانچ گنا فوج ہو تو انسان کے واہمہ میں بھی جہاں بانی نہیں آتی، اگر انہیں شوق تھا تو اعلائے کلمۃ اللہ کا، اور جو اس کی راہ روکنے کو اپنی کثرت کے بل بوتے پر آتا تھا تو پھر صحابہ اور سلف صالح اپنی بے سروسامانی کی پراواہ کئے بغیر جان جوکھوں پر ڈال کر اعلائے کلمۃ اللہ کا فرض سر انجام دیتے۔

مقام خلافت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب حملہ ہوا اور آپ نے انتخاب خلافت کمیٹی بنائی تو اس کمیٹی کے ممبران میں حضرت سعید کو شامل نہیں فرمایا، اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت سعید ایک طرف تو حضرت عمر کے چچا زاد تھے دوسری طرف وہ آپ کے بہنوئی بھی تھے اور ان کی بہن آپ کی اہلیہ بھی تھیں، اس ہمہ جہت قرابت کے باعث کہیں یہ شک نہ گذرے کہ نعوذ باللہ آپ نے جنبہ داری سے کام لیا ہے حضرت عمر نے حضرت سعید کو انتخاب خلافت کمیٹی میں شامل نہیں فرمایا، اس سے ان بزرگان کے تقویٰ اور خلافت حقہ اسلامیہ کی ان کے ہاں اہمیت اجاگر ہوتی ہے تا کہ منصب خلافت ہر طعنہ اور ہر اتہام اور دشمنوں کے اقوال سے بلند رہے۔

استجابت دعا

آپ مستجاب الدعوات بھی تھے، اس ضمن میں ایک واقعہ ازدیاد ایمان کا باعث ہوگا، منافقین کی جیسا کی عادت تھی عظیم لوگوں پر الزام لگا کر حکومت کو کمزور کرنا ان کا شیوہ تھا اور اس عادت نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا، یہی حرکت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا باعث بنی جس کے بعد پھر امت اسلامیہ ایک امام کے پیچھے نماز ادا کرنے سے قاصر رہی۔ اسی قسم کے لوگوں میں سے ایک اُروہ بنت قیس بھی تھی، اس نے آپ کے خلاف مروان بن الحکم کی عدالت میں یہ مقدمہ دائر کیا کہ آپ نے میری زمین ہتھیا لی ہے، مروان نے اپنے عمال آپ کی خدمت میں ارسال کئے تا اصل معاملہ کی حقیقت کو جانچا جا سکے، آپ کو جب اس معاملہ کی خبر ہوئی تو حیران رہ گئے، فرمایا میں نے خود آنحضورﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: مَنْ ظَلَمَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ طَوَّقَه يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِن سَبْعِ أَرْضِين جس نے ظلم کی راہ سے کسی کی بالشت بھر زمین بھی ہتھیائی وہ اس کے گلے میں سات گنا بڑھا کر بطور طوق ڈالی جائے گی۔ مروان نے کہا مجھے بات سمجھ آ گئی ہے میں آپ سے کوئی اور دلیل نہیں مانگتا۔

آپ نے اس پر دعا کی کہ اے اللہ! یہ (اُروہ) سمجھتی ہے کہ میں نے اس پر ظلم کیا ہے، اگر یہ جھوٹی ہے تو اسے اندھا کر دے اور اسے اسی کنوئیں میں گرا دے جس کی بابت یہ مجھ سے جھگڑ رہی ہے اور میرے حق میں وہ نور ظاہر فرما جس سے مسلمانوں پر ظاہر ہو جائے کہ میں نے اس پر کوئی ظلم روا نہیں رکھا۔ اس کے چند دن بعد مدینہ میں سخت سیلاب آیا جس سے ان کی زمینوں کی حد واضح ہو گئی اور سب کو پتہ چل گیا کہ آپ حق پر تھے، نیز ابھی مہینہ نہیں گزرا تھا کہ اس عورت کی بینائی جاتی رہی اور ایک دن جب وہ اپنی زمین پر دیکھ بھال کے لئے گئی ہوئی تھی اسی کنوئیں میں گری اور جاں بحق ہو گئی۔

امّ المؤمنین حضرت زینب کی وصیت

ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب فوت ہونے لگیں تو آپ نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ حضرت سعید پڑھائیں گے۔ یہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نزدیک آپ کے تقویٰ اور نیکی کی شہادت ہے۔

وفات

آپ کی وفات 51 ہجری میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو غسل دیا۔ آپ مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔

تاریخ کا ایک ایمان افروز ورق

6 مارچ 1897ء کو لیکھرام کے عبرتناک انجام کے بعد آریوں نے بڑی شدّت سے الزام لگایا کہ لیکھرام حضرت مسیح موعودؑ کی سازش کے نتیجہ میں قتل کیا گیا ہے اور اس قتل کا بدلہ لینے کے لئے خفیہ اور اعلانیہ کارروائیاں شروع کر دیں۔

اس پر حکومت کی مشینری حرکت میں آ گئی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خانہ تلاشی بھی ہوئی۔ 8/اپریل 1897ء کو پولیس کا جو وفد تلاشی لینے کے لئے آیا، اُن میں ایک میاں محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ بھی شامل تھا۔ یہ گوجرانوالہ کا باشندہ تھا۔ دورانِ تلاشی اس کی ایک زیادتی پر حضورؑ نے فرمایا: آپ تو اس طرح مخالفت کرتے ہیں مگر آپ کی اولاد میرے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو جائے گی۔

میاں محمد بخش کا ذکر مقدمہ مارٹن کلارک کے سلسلہ میں بھی ملتا ہے۔ غالباً اسی کی تحریک پر حضورؑ کے خلاف مقدمہ حفظ امن قائم ہوا۔ جب اس نے یکم دسمبر 1898ء کو ڈپٹی گورداسپور جی ایم ڈوئی کو رپورٹ بھیجی کہ حضورؑ کے اشتہارات اور پیشگوئیوں سے نقص امن کا خطرہ ہے اس لئے فریقین کی ضمانت اور مچلکہ حفظ امن کا انتظام فرمایا جائے۔ چنانچہ اس کی رپورٹ اور مولوی محمد حسین بٹالوی کی درخواست پر مقدمہ درج ہوا۔ 11/جنوری 1899ء کو گورداسپور کی عدالت میں حضورؑ اور میاں محمد بخش کے بیانات ہوئے۔ مگر عدالت نے 24/فروری 1899ء کو مقدمہ خارج کر دیا۔ حضرت امام الدین صاحبؓ پٹواری فرماتے ہیں کہ اس مقدمہ کے موقعہ پر میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ محمد بخش تھانیدار کہتا ہے کہ آگے تو مرزا مقدمات سے بچ کر نکل جاتا رہا ہے، اب میرا ہاتھ دیکھے گا۔ حضرت صاحب نے فرمایا: ''میاں امام الدین! اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔'' اس کے بعد مَیں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کی ہتھیلی میں سخت درد شروع ہو گئی۔ اور وہ اس درد سے تڑپتا تھا۔ اور آخر اسی نامعلوم بیماری میں وہ دنیا سے گزر گیا۔

چنانچہ میاں محمد بخش کے متعلق پیشگوئی کے دراصل دو حصے تھے۔ اول اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور دوم اس کی اولاد حضرت مسیح موعودؑ کے غلاموں میں شامل ہو جائے گی۔ یہ دونوں پیشگوئیاں حضور علیہ السلام کی زندگی میں ہی پوری ہو گئیں۔ چنانچہ اس کے بیٹے حضرت شیخ نیاز محمد صاحبؓ کے مطابق 1901ء کے آخر میں ان کے والد کو ہاتھ میں کاربنکل کا پھوڑا نکلا جو مہلک ثابت ہوا۔ بیماری کے ایام میں انہوں نے کہا کہ تندرست ہونے کے بعد وہ حضرت اقدسؑ کی بیعت میں داخل ہو جائیں گے۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی اور وہ 3/مارچ 1902ء کو فوت ہو گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی میں میاں محمد بخش کے طاعون سے مرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

پیشگوئی کا دوسرا حصہ یوں پورا ہوا کہ والد کی وفات کے بعد شیخ نیاز محمد صاحب بٹالہ سے اپنی زمین واقع تحصیل حافظ آباد میں چلے آئے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حسن اتفاق سے حضرت مولوی حکیم محمد دین صاحبؓ 1907ء میں ہمارے ایک مکان میں بحیثیت کرایہ دار رہنے لگے۔ اس بزرگ کی پاک صحبت کے اثر سے یہ عاجز ان کے ہمراہ قادیان آیا۔ اور چونکہ اُن ایام میں مجھے دینی واقفیت اچھی طرح نہ تھی اس لئے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ سے دو تین روز کے بعد ذکر کیا کہ حضرت صاحب کو مسیح اور مہدی مان لینا کوئی آسان کام نہیں۔ پہلے میں اہلسنت والجماعت کی کتب پڑھوں گا اور پھر حضرت اقدسؑ کی کتب کا مطالعہ کر کے کوئی فیصلہ کروں گا۔ حضرت مولوی صاحبؓ نے فرمایا کہ زندگی کا کیا اعتبار ہے۔ میں آپ کو ایک آسان گر بتاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں، اگر حضور سچے ہوئے تو آپ پر حقیقت کھل جائے گی۔ چنانچہ میں نے نمازوں میں دعائیں کرنی شروع کر دیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے دوسرے یا تیسرے روز مجھ پر ایک مبشر خواب کے ذریعہ سے حقیقت کھل گئی اور معاً مجھے اپنے والد صاحب کی آخری نصیحت بھی یاد آ گئی تو میں نے حضرت مولوی صاحبؓ کی خدمت میں اپنی رؤیا اور والد صاحب کی آخری نصیحت کا ذکر کیا اور عرض کی کہ میں بیعت کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ اس وقت تقریباً 9-10 بجے صبح کا وقت تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور اسی وقت مجھے حضرت اقدس علیہ السلام کے دولت خانہ پر لے گئے اور اندر اطلاع کروائی۔ اس پر حضورؑ نے کمال شفقت سے بیت الدّعا کے ساتھ آنے والے دالان میں بلوا کر اس عاجز کی بیعت لی۔ میں نے بیعت کرنے سے پہلے حضورؑ کی خدمت میں آبدیدہ ہو کر عرض کی کہ لِلّٰہ میرے والد صاحب کو معاف فرما دیں۔ حضورؑ نے فرمایا اچھا ہم نے معاف کر دیا۔ پھر میں نے عرض کی کہ لِلّٰہ ان کیلئے دردِ دل سے دعا فرماویں۔ فرمایا بہت اچھا۔ حضرت اقدسؑ چارپائی پر تشریف رکھتے تھے۔ میں نیچے بیٹھ گیا مگر آپؑ نے میرا ہاتھ کھینچ کر اوپر بٹھا لیا اور بیعت لینے کے بعد لمبی دعا فرمائی۔ وہاں سے واپسی پر راستہ میں خواجہ کمال الدین ہمیں ملے تو حضرت مولوی صاحبؓ نے اُن کو کہا: اس لڑکے نے آج وہ کام کیا ہے کہ مجھے بھی اس پر رشک آ رہا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ کاش میری اولاد بھی میرے بعد میرے لئے اسی طرح نیک نامی کا باعث ہو۔ خواجہ صاحب کے پوچھنے پر فرمایا کہ اس نے اپنے والد صاحب کو حضور سے معاف کروایا ہے اور ان کیلئے دعا کروائی ہے۔

جب مَیں دوسری یا تیسری مرتبہ قادیان آیا تو حضرت سیدہ اماں جانؓ کے لئے ایک کپڑا لایا۔ حضورؑ نے کمال شفقت سے قبول فرمایا اور بہت خوشی خوشی اندر تشریف لا جا کر حضرت اماں جانؓ کو ہنستے ہوئے وہ کپڑا دے کر فرمایا کہ یہ کپڑا محمد بخش تھانیدار جس نے لیکھرام کے قتل کے موقع پر تلاشی کے وقت تمہارے ٹرنک کھولے تھے، اس کے لڑکے نے دیا ہے۔

حضرت شیخ نیاز محمد صاحب بھی انسپکٹر پولیس تھے۔ آپ پولیس کی ملازمت سے ریٹائر ہو کر 1941ء میں مستقل طور پر قادیان آ گئے اور کچھ عرصہ تک افسر حفاظت کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔ 1947ء میں اپنے وطن گوجرانوالہ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ وفات سے 2 ماہ قبل آپ حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر ربوہ تشریف لائے اور 24 جولائی 1954ء کو وفات پائی۔ آپ کی ایک بیٹی مکرمہ فرخندہ اختر صاحبہ حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب کے عقد میں آئیں۔

دوراولیٰ اور دورآخریں کے دو عظیم الشان وجود

دوسری اور آخری قسط

(جلسہ سالانہ قادیان 2012ء کے موقع پر مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب کی تقریر)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ

سیدنا و امامنا و مرشدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اِنَّ اللّٰہ لَایُبَشِّرُ الانبیاء والاولیاء بِذُرِّیَّۃٍ اِلَّا اِذَا قَدَّرَ تولید الصالحین'' (آئینہ کمالاتِ اسلام حاشیہ صفحہ 578)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو اولاد کی بشارت صرف اسی صورت میں دیتا ہے جب کہ ان کا صالح ہونا مقدر ہو۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر ذریت طیبہ کے اہم فرد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی مبارک پیدائش سے پہلے ہی خداوند قدوس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہم کلام ہوتے ہوئے اپنی بشارات سے نوازا۔

آپ کو الہامِ الٰہی میں قمر الانبیاء قرار دیا گیا تھا۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ 266)۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الہام'' یَاتی قمرالانبیاء وامرك یتأتی'' کو آپ پر چسپاں فرمایا۔(تریاق القلوب صفحہ 42)

آپ کی علوّشان اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اپنے بچوں کی آمین کے موقع پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

''یہ لڑکے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک نشان ہیں اور ہر ایک ان میں سے خدا کی پیشگوئیوں کا زندہ نمونہ ہے۔ اس لئے میں اللہ تعالیٰ کے ان نشانوں کی قدر کرنا فرض سمجھتا ہوں کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور قرآن کریم کی حقانیت اور خود اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت ہیں۔'' (الحکم 10-17 اپریل 1903ء)

20 اپریل 1893ء آپ کی تاریخ ولادت ہے اور 2 ستمبر 1963ء یوم وفات۔ اس قریباً پون صدی میں آپ نے انبیاء علیہم السلام کی عظمت کے قیام، اُن کے نوروں کی پیروی و اشاعت کے ذریعہ اور مصیبت زدہ انسانوں کے لئے ٹھنڈی چاندنی کی کیفیت پیدا کر کے واقعتہً اپنا قمر الانبیاء ہونا ثابت کر دیا۔

آپ کا دل ہر وقت عشقِ الٰہی سے معمور رہتا تھا۔ 1951ء کا ذکر ہے کہ ایک دوست نے آپ کی خیریت مزاج دریافت کی تو آپ نے فرمایا۔ ہاں، شکر ہے میں اپنے خدا پر بالکل راضی ہوں۔ آپ فرماتے ہیں: ''مَیں نے اپنے دل کے سارے گوشوں میں جھانک کر اور کونے کونے کا جائزہ لے کر آخری نتیجہ یہی نکالا کہ مَیں خدا کے فضل سے اور اسی کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ اپنے خدا اور اُس کی ہر تقدیر پر پورے شرحِ صدر کے ساتھ راضی ہوں۔'' (حیات بشیر از حضرت مولانا شیخ عبدالقادر صاحب صفحہ 203 ناشر مجلس انصار اللہ پاکستان، الفضل 13 نومبر 1951ء ص 4)

حضرت میاں صاحب کو خدا تعالیٰ سے جو تعلق تھا اس کا اظہار اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندگی میں ہی خاتمہ بالخیر کی بشارت عطا کر رکھی تھی۔ آپ نے ایک مرتبہ بڑے اضطرار سے دعا کرتے ہوئے خدا تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس بارہ میں مجھے کوئی تسلی دے دے۔ اس دعا پر آپ کو قرآن مجید کا ایک ورق دکھایا گیا جس کے دائیں جانب یہ الفاظ تھے کہ ''بغیر حساب'' اور باقی سب ورق سفید تھا۔ (الفضل 20 نومبر 1963ء صفحہ 7)

آپ نے حکیم مولوی عبداللطیف شاہد صاحب کو حج بدل کیلئے منتخب فرمایا اور ان کو ایک خط میں جن دعاؤں کی تلقین کی اُن کے لفظ لفظ سے اللہ تعالیٰ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح موعود علیہ السلام، مکہ و مدینہ اور جماعت کے افراد سے محبت اور عشق کا دریا رواں نظر آتا ہے۔ (الفضل 29 اکتوبر 1963ء صفحہ 31)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آپ کو انتہاء درجہ کا عشق تھا۔ اسی جذبہ کے تحت آپ نے سیرت خاتم النبین اور سیرت المہدی جیسی بے نظیر کتب تحریر فرمائیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سیرت خاتم النبیین کو بنظرِ تحسین دیکھتے ہوئے فرمایا: ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی سیرتیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے یہ بہترین کتاب ہے۔ اور سیرتوں سے ہی نہیں بلکہ بعض لحاظ سے عربی سیرتوں کے متعلق بھی کہہ سکتے ہیں کہ کوئی ایسی کتاب شائع نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس تصنیف میں ان علوم کا بھی پرتو ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ حاصل ہوئے۔'' (الفضل 7 جنوری 1932ء ص 4)

آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آپؓ کے عشق کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے آپکے فرزند حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد فرماتے ہیں: ''آپؓ کا طریق تھا کہ گھر کی مجالس میں احادیث، نبی کریم ﷺ کی زندگی کے واقعات اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے حالات اکثر بیان فرماتے رہتے تھے۔ میرے اپنے تجربہ میں یہ ذکر سینکڑوں مرتبہ کیا ہوگا۔ لیکن مجھے یاد نہیں کہ کبھی ایک مرتبہ بھی نبی کریم ﷺ یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذکر سے آپ کی آنکھیں آبدیدہ نہ ہوئی ہوں۔ بڑی محبت اور سوز سے یہ باتیں بیان فرماتے تھے پھر ان کی روشنی میں کوئی نصیحت کرتے تھے۔'' (الفضل 20 نومبر 1963ء ص 4)

ایک صاحب کو آپ مسودہ املا کروا رہے تھے۔ انہوں نے لکھتے ہوئے صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے صلعم لکھ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ناپسندیدہ ہے۔ جب اتنی طویل و عریض عبارتیں لکھی جاسکتی ہیں تو صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ ہی تخفیف کا خیال کیوں آتا ہے۔ اور پھر اپنی قلم سے صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیا۔ نیز فرمایا انگریزی میں محمد کا مخفف MOHD دیکھ کر ہمیشہ ہی مجھے افسوس اور رنج پہنچا ہے۔ نہ معلوم کس نے یہ مکروہ ایجاد کی ہے اور تخفیف کا سارا زور صرف ''محمد'' کے نام پر ہی صرف کر ڈالا ہے۔ (الفضل 29 اکتوبر 1963ء ص 34)

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب سابق آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ اپنی آپ بیتی

بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کے پاس انگریزی کا ایک ڈرافٹ درستی کے لئے لے گیا۔ اس میں لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو MOHD لکھا ہوا تھا۔ جب آپ اس لفظ پر پہنچے تو قلم میز پر رکھ دی اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا: محمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے۔ بعض انگریزی خواں لوگ یہ غلطی کرتے ہیں۔ اسے صرف MD یا MOHD لکھ دیتے ہیں۔ اس معاملہ میں مَیں بہت KEEN (حساس) ہوں۔ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہم مخفف کر کے لکھیں۔ (الفضل 29 اکتوبر 1963ء ص 40)

اپنے ایک ہم جماعت کی 63 سال کی عمر میں وفات پر آپ نے فرمایا کہ بچپن سے آج تک اس عمر کا ذکر آتے ہی مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آتا ہے۔ اور فرمایا: ''یہ سب سے کم عمر ہے جو کسی نبی نے (جو کسی حادثہ کے نتیجہ میں فوت نہیں ہوئے) اس ناپائیدار دنیا میں پائی اور اس کے مقابل پر ہمارے آقا ﷺ نے جو کام کیا وہ اتنا عظیم الشان ہے کہ مقابل پر اگر سب دوسرے انبیاء کے کام کو رکھا جائے تو پھر بھی آپ کے کام کا پلڑا بہت بھاری نظر آتا ہے۔'' (الفضل 8 اپریل 54ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد (خلیفۃ المسیح الرابعؒ) فرماتے ہیں: ''سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا آپ کو اس قدر اہتمام تھا کہ باریک در باریک پہلو بھی نظر انداز نہیں فرماتے تھے۔ کیا بلحاظ رحم اور کیا بلحاظ عدل اور کیا بلحاظ مساواتِ محمدی، ہر اس روش پر سے ہو کر گزرتے رہے۔ جس پر کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عشاق کا قافلہ گزرا تھا۔'' (خالد فروری 1964ء صفحہ 33)

حضرت میاں صاحب نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل مکرم مختار احمد صاحب ہاشمی کے سامنے جو اقرار کیا وہ آپ کے قلبِ مطہر کی کیفیت کا صحیح انعکاس ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر رقت آمیز لہجے میں فرمایا۔ ہاشمی صاحب! آپ اس بات کے گواہ رہیں اور میں آپ کے سامنے اس امر کا اقرار اور اظہار کرتا ہوں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے اس وقت سے لے کر اب تک میرے دل میں سب سے زیادہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جاگزیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے: المرء مع من احب اس لحاظ سے مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے تحت مجھے وہاں آنحضرت ﷺ کے قرب سے نواز دے گا۔'' (الفضل 29 اکتوبر 1963ء ص 37)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت آپ کے اندر کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی اور آپ حضورؑ کی پوری طرح اتباع فرماتے حتّٰی کہ لباس میں بھی اس کا خیال رکھتے۔ ایک دن مسجد مبارک ربوہ میں نماز پڑھنے تشریف لائے تو خلافِ معمول کوٹ اپنے بازو پر رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اتباع میں گھر سے کوٹ پہنے بغیر نہیں نکلا کرتا تھا مگر آج اس قدر شدید گرمی ہے کہ مجھ سے کوٹ برداشت نہیں ہو سکا۔ مَیں نے سوچا کہ پہن تو سکتا نہیں، کم از کم اسے اپنے ساتھ تو لے لوں اور اس طرح حضرت اقدس کی اس سنت کو پورا کر لوں۔

(حیات بشیر از حضرت مولانا شیخ عبدالقادر صاحب ناشر مجلس انصاراللہ پاکستان صفحہ 208)

وفات سے ایک سال قبل کی عید الفطر کے موقع پر آپ بیمار تھے۔ عید کے بعد لوگوں نے مصافحہ شروع کر دیا اور آپ کو مسجد میں رُکنا پڑا۔ صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب نے عرض کیا کہ اس بیماری کی حالت میں خواہ مخواہ کوفت کیوں اُٹھائی۔ سنئے کیا جواب دیا حضرت قمرالانبیاء نے فرمایا: ''مجھے ہمیشہ یہ احساس رہتا ہے کہ یہ لوگ جو ہماری عزت کرتے ہیں، مصافحہ کرتے ہیں، یہ سب کچھ اسی لئے ہے کہ ہم مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ یہ حضرت اقدس کی نمائندگی کی ذمہ داری ہے اور مَیں اس بات سے بہت ڈرتا ہوں کہ کہیں اس میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ اس لئے تکلیف اٹھا کر بھی ایسا کرتا ہوں۔'' (الفضل 18 ستمبر 1963ء)

ابھی آپ بی اے میں تعلیم ہی پا رہے تھے کہ اچانک آپ نے کالج چھوڑ دیا۔ اور قادیان میں آکر حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ سے قرآن و حدیث پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ حضرت قاضی اکمل صاحب کے پوچھنے پر فرمایا: ''کالج تو پھر مل جائے گا مگر زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ ممکن ہے کہ قرآن مجید و حدیث پڑھنے کا اور پھر وہ بھی نورالدین ایسے پاک انسان سے پھر موقع نہ مل سکے۔ اس لئے مَیں نے یہی بہتر جانا۔'' (تشحیذ الاذہان مارچ 1914ء ص 154، حیات بشیر صفحہ 61)

آپ خلافت کے عاشق اور سلطان نصیر تھے اور ہر راہ سے اس پر دل و جان سے فدا تھے۔ حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ ایک مستجاب الدعات اور صاحبِ کشف و رؤیا بزرگ تھے۔ انہیں 1951ء میں جبکہ وہ قادیان میں بطور درویش مقیم تھے، الہام ہوا: ''سب کو چھوڑ دو، خلیفہ کو پکڑو''۔ (الفضل 9 فروری 1951ء)

یہ الہام انہوں نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو بھی لکھ دیا۔ آپ نے اُن کا یہ الہام اخبار میں شائع کرواتے ہوئے دوستوں سے اِس اُمید کا اظہار کیا کہ وہ اِس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ اِس الہام میں جیسا کہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو تو تمہیں چاہئے کہ دین کی خدمت کے لئے خلیفۂ وقت کے احکام پر کمربستہ رہو اور اپنے رشتہ داروں یا دوستوں کی محبت کی وجہ سے اس اطاعت سے رضاء الٰہی وابستہ رہے۔ حضرت میاں صاحب موصوف کو اَور بھی بعض بزرگ اپنے الہامات یا رؤیا و کشوف لکھا کرتے تھے۔ مگر آپ کا اِس الہام کو خاص طور پر شائع کروانا بتاتا ہے کہ آپ اطاعتِ امام کو ہی جماعتی ترقی کا واحد ذریعہ سمجھتے تھے۔ (الفرقان قمرالانبیاء نمبر، اپریل مئی 1964ء صفحہ 28)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب فرماتے ہیں: ''(ابا جانؓ) حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے بھی بیحد محبت کرتے تھے اور حضور کے خلافت پر فائز ہونے کے بعد اپنا جسمانی رشتہ اپنے نئے روحانی رشتہ کے ہمیشہ تابع رکھا۔ دینی معاملات کا تو خیر سوال ہی کیا تھا۔ دنیاوی امور میں بھی یہی کوشش فرماتے تھے کہ حضور کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ حضور کی تکریم کے وہ کمال درجہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ میں نے اس کی جھلکیاں بہت قریب سے گھریلو ماحول میں دیکھی ہیں۔ آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کا رنگ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ نبض دل کے تابع ہو۔ عمر بھر اس تعلق کو کمال وفاداری سے نبھایا۔ اور اس کیفیت میں کبھی کوئی رخنہ پیدا نہ ہونے دیا۔'' (الفضل 20 نومبر 1963ء ص 4)

مکرم سعداللہ جان صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ''ایک دن جب کہ ہم کھانا کھا رہے تھے۔ ایک دوست حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے پیغام لائے کہ حضرت صاحب آپ کو بُلاتے ہیں۔ آپ نے کھانا چھوڑ دیا اور فوراً اپگڑی سر پر رکھ

کر چل دیئے۔ بچپن کی نادانی کے باعث میں نے عرض کیا کھانا کھا کر تشریف لے جائیں۔ فرمایا: ''نہیں اُن کا حکم مقدم ہے۔'' اور پھر کافی دیر کے بعد آ کر کھانا کھایا۔ (الفرقان قمر الانبیاء نمبر صفحہ 93)

حضرت مرزا مظفر احمد صاحب ہی کا بیان ہے کہ ''اپنے عمر بھر کے ایک دوست سے جن سے ہمیشہ بڑی شفقت سے پیش آتے۔ اُن سے ایک مرتبہ حضور کسی جماعتی معاملہ میں ناراض ہوئے۔ اس دوست نے ابا جان کو ایک ذریعہ سے پیغام بھجوایا کہ میں ملنے آنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا حضرت صاحب اس سے ناراض ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ پہلے حضرت صاحب سے معافی لے۔ میں پھر ملوں گا۔ یوں نہیں مل سکتا۔'' (حیاتِ بشیر صفحہ 320)

محترم مسعود احمد خاں صاحب دہلوی بیان کرتے ہیں کہ ان کی موجودگی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو یاد فرمایا۔ تھوڑی دیر میں حضرت میاں صاحب تیز تیز قدم اٹھائے ہوئے تشریف لے آئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ آپ ریش مبارک کو اسی وقت خضاب لگانے سے فارغ ہوئے تھے کہ حکم پہنچ گیا۔ اور آپ جلدی میں فوراً ہی آ حاضر ہوئے کیونکہ آپ کے ناخنوں پر خضاب کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ (سفرِ حیات صفحہ 262)

مقامِ خلافت کو آپ ہمیشہ مختلف شکلوں میں احبابِ جماعت کے سامنے واضح فرماتے رہتے تھے۔ اس کی ایک اچھوتی اور نادر مثال مَیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ فضل عمر ہسپتال ربوہ کے لئے چندہ کی تحریک کرتے ہوئے آپ نے لکھا کہ ''مرکزِ سلسلہ کی تو یہ حیثیت ہے کہ اگر صرف خلیفۂ وقت کی اکیلی ذات کے لئے ایک عمدہ ہسپتال قائم کرنا پڑے تو جماعت کو اُسے اپنا مقدس فریضہ سمجھ کر پورا کرنا چاہئے۔'' (الفضل 5 جنوری 1957ء)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ بھی آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مؤرخ احمدیت محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب لکھتے ہیں کہ فسادات 1953ء کے بعد حضرت اقدسؓ نے مولانا مودودی صاحب کے شرانگیز رسالہ ''قادیانی مسئلہ'' کا خود جواب لکھوایا اور پھر فرمایا کہ میاں بشیر احمد صاحب بھی اسے دیکھ لیں۔ چنانچہ عاجز مسودہ لے کر حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؓ نے اپنے قلم سے اس کے اختتام پر ایک ضروری نوٹ کا اضافہ کیا جسے حضورؓ نے پسند فرمایا۔

(''اقلیم خلافت کے تاجدار'' صفحہ 17)

وہ صاحبِ قلم اور وہ نکتہ نواز — وہ روشن ضمیر اور وہ دانائے راز
وہ خلقِ مجسم تھا کردار میں — ابلتے تھے نغمات گفتار میں
اطاعت پہ ایمان رکھتا تھا جو — مقامِ خلافت سمجھتا تھا وہ
تھا راہِ وفا میں جو ثابت قدم — جسے چاند نبیوں کا کہتے تھے ہم

(مولوی سمیع اللہ صاحب)

آپ صاحبِ کشف والہام تھے لیکن بیان کرنے کی عادت نہ تھی۔ ایک دفعہ آپ کو عین بیداری کے عالم میں جبکہ کوئی دوسرا پاس نہ تھا۔ غیب سے بالکل صاف آواز سنائی دی کہ ''السلام علیکم''۔ (خالد فروری 1964ء ص35)

جون 1951ء میں آپ کو الہام ہوا: ''محمدی اُٹھ تیری سر بلندی کا وقت قریب آ گیا ہے۔'' (الفضل 29 اکتوبر 1963ء ص 11)۔ اس میں محمدی سے مراد جماعتِ احمدیہ تھی بعد کے واقعات نے بالکل سچا ثابت کر دیا۔

اسلام اور احمدیت کے شاندار مستقبل کے متعلق آپ یقینِ محکم کی چٹان پر کھڑے تھے۔ ایک مرتبہ روسی وزیر اعظم مسٹر خروشیف نے یہ بڑھ ہانکی کہ: ''میں ساری دنیا پر اشترا کی جھنڈا لہراتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ میری اس کوشش کی تکمیل کا دن دُور نہیں۔''

یہ الفاظ پڑھ کر آپ کی غیرت جوش میں آئی اور آپ نے ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا۔ ''غالب کون ہوگا؟ اشترا کیت یا اسلام؟

اس مضمون میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں درج کرنے کے بعد لکھا: ''انسانی زندگی محدود ہے۔ مسٹر خروشیف نے ایک دن مرنا ہے اور میں بھی اس دنیوی زندگی کے خاتمہ پر خدا کی ابدی رحمت کا امیدوار ہوں مگر دنیا دیکھے گی اور ہم دونوں کی نسلیں دیکھیں گی کہ آخری فتح کس کے حق میں لکھی ہے۔ روس کا ملک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک عظیم الشان پیشگوئی دیکھ چکا ہے جو ان ہیبت ناک الفاظ میں کی گئی تھی کہ 'زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار'۔ اب اسلام کے دائمی غلبہ اور توحید کی سر بلندی کا وقت آ رہا ہے۔ اور دنیا دیکھ لے گی کہ مسٹر خروشیف کا بول پورا ہونا ہے یا حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی کے مطابق اسلام کی فتح کا ڈنکا بجتا ہے۔'' (الفضل 28 جولائی 1960ء)

جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

قادیان آپ کو بے حد محبوب تھا۔ 1948ء کی عید الفطر پر ایک صاحب نے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزارِ مبارک کا تازہ فوٹو اور اُس کے قریب ترین موتیا کے پانچ پھول بھجوائے۔ یہ تحفہ قادیان کی مقدس یاد تازہ کر گیا۔ آپ نے اس گرانقدر تحفہ پر ''الفضل'' میں ان کا شکریہ ادا کیا نیز فرمایا: ''جہاں قادیان کے ان تحفوں نے روحانی خوشی اور مسرت کی لہر پیدا کی وہاں ان کی وجہ سے قادیان کی مخصوص یاد بھی تیز تر ہوگئی اور موتیا کے خشک شدہ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو نے قادیان کے ارض و سما اور قادیان کے لیل و نہار کی زبردست مگر دبی ہوئی مہک کو اس طرح اُٹھایا کہ دل و دماغ میں تہلکہ برپا ہوگیا۔'' (الفضل 17 اگست 1948ء)

قادیان کے درویش آپکے بے حد منظورِ نظر تھے۔ اُن کی خدمت ایک مشکل معاملہ تھا۔ قادیان کے ہر درویش کے حالات کو نگاہ میں رکھنا، اس کے رشتہ داروں اور متعلقین کی مشکلات کا دور کرنا، ہر درویش کے لئے آرام وآسائش کا بہم پہنچانا۔ بیماروں کی تیمارداری، ناداروں کی حاجت روائی، حکومتوں سے ربط وضبط رکھنا۔ جلسہ سالانہ پر وفود کا بھیجنا۔ یہ اور اس قسم کے سینکڑوں کام تھے جنہیں آپ تن تنہا سرانجام دیتے تھے۔ ہر درویش اور اس کے رشتہ دار سے آپ کو محبت تھی۔ ایسی محبت جو اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں سے ہوتی ہے۔ ہر ایک کی تکلیف کو آپ اپنی تکلیف جانتے تھے۔ ان سے شفقت اور رأفت آپ کے سینہ میں موجزن تھی کہ سخت سے سخت تکلیف اور شدید سے شدید مصروفیت میں بھی ان سے ملنے کیلئے باہر

تشریف لے آتے اور اگر اُٹھ کر باہر آنے کی طاقت نہ ہوتی تو اسے اندر بُلا لیتے اور اس کا ہر ممکن اعزاز فرماتے۔ بعض اوقات جب کسی درویش کے بچوں کو آپ سے ملاقات کیئے کافی دیر ہو جاتی تو آپ خود اُن کے گھر تشریف لے جا کر ان کی خیریت پوچھتے۔

1951ء میں ربوہ میں تار گھر کھُل گیا۔ اس تار گھر سے ہندوستان میں سب سے پہلے آپ نے قادیان کے امیر جماعت کو تار بھجوائی۔

آپ نے ایک مرتبہ ناظر صاحب امور عامہ قادیان کو لکھا کہ ''قادیان کی انجمن اور مَیں جواُن کا ناظر ہوں، درویشوں کے لئے گویا باپ کی حیثیت رکھتے ہیں (الفضل 13 ستمبر 1963ء)۔ چنانچہ آپ نے واقعتاً اپنا بے نظیر نمونہ پیش فرمایا۔ ایک جگہ آپ نے تحریر فرمایا:'' قادیان کا درویش حلقہ دراصل ہمارے لئے ایک مقدس روضہ ہے جیسا کہ آئینہ کمالاتِ اسلام والے کشف میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے ایک روضہ قرار دیا ہے۔'' (الفضل 30 دسمبر 1955ء)

اے اہلِ قادیان! وہ جو آپ کی یاد میں گداز ہوا جاتا تھا، قادیان کی یاد دل میں لئے یہاں سے کئی میل دور ربوہ کی مقدس بستی میں ابدی نیند سو رہا ہے۔ مگر عالمِ بالا سے یہ پیغام دے رہا ہے:-

جب کبھی تم کو ملے موقع دعائے خاص کا
یاد کر لینا ہمیں اہل وفائے قادیاں

دوستوں کے ساتھ آپ نے مودت ومروت اور لطف وکرم کا دل آویز سلوک روا رکھا چنانچہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب فرماتے ہیں:

''محض اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اور اس کی ذرہ نوازی نے اس عاجز کے لئے صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحبؓ کی مشفقانہ رفاقت نصف صدی سے زیادہ عرصہ کے لئے میسر فرمادی اور اس تمام عرصے میں یہ عاجز متواتر اُس پاک اور صافی چشمۂ فیض سے متمتع ہوتا رہا اور اُس بے نفس اور ہمہ تن متواضع ہستی کی طرف سے پیہم مورِ دِالطاف وعنایات رہا۔ کبھی ایسا موقعہ پیدا نہ ہوا کہ خاکسار بھی اس محبوب و مشفق رفیق کی حقیر سے حقیر خدمت کی سعادت حاصل کرتا۔ یہ محرومی اِس عاجز کے لئے تلخ تأسف کا موجب ہے لیکن ساتھ ہی اُس عالی جناب کے لطفِ بے پایاں پر شاہد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں الید العلیا سے نوازا تھا اور خاکسار کا مشاہدہ اور تجربہ سترہ سال کے سِن سے لے کر ستر سال کی انتہاء تک یہی رہا کہ وہ ہاتھ ہر حالت میں بلند و بالا ہی رہا۔ کبھی فضلِ الٰہی نے اسے نیچا نہ ہونے دیا۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء .**'' (الفرقان قمر الانبیاء نمبر صفحہ 10)

محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب آپؓ کی زندگی کے نمایاں پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تعلق باللہ، عشقِ رسولؐ اور عشق مسیح زمان سے گہری وابستگی، خلیفہ وقت کی بے مثال اطاعت اور فرماں برداری خلق خدا سے بے پایاں شفقت، غرباء سے ہمدردی مرکز سے گہرا لگاؤ اور اسلام اور احمدیت کے مستقبل پر کامل یقین آپ کی زندگی کے خصوصی پہلو تھے۔ اپنی ساری عمر اپنی تمام تر طاقت اس کوشش میں صرف کی کہ خدا کا نام بلند ہو اور اس کی مخلوق کی بھلائی ہو، عین جوانی میں وقفِ دین کا عہد باندھا اور آخری سانس تک اسے بڑے ذوق اور شوق سے نبھایا

...... یہ خوش قسمت لوگ مسیح محمدی کی فوج کے صف اول کے سپاہی ہیں جن کی زندگی کا مقصد ایک اور صرف ایک تھا کہ اسلام دوبارہ زندہ ہو اور دنیا کو ایک زندہ خدا اور ایک زندہ نبی محمد (ﷺ) کی پہچان ہو۔ ان بزرگوں نے اپنی تمام طاقتیں اور کوششیں اس مقصد کے حصول کے لئے بے دریغ خرچ کر دیں اور خدمتِ دین کا حق ادا کیا۔ اسلام اور احمدیت کے پودے کی اپنے خون اور قربانی سے آبیاری کی۔ اور دنیا کی کوئی کشش اس کے رستہ میں حائل نہ ہونے دی۔'' (الفضل 20 نومبر 1963ء ص7)

آپ کی پیدائش بشاراتِ الٰہیہ کے ماتحت ہوئی۔ مگر انکسار اور عاجزی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ فرمایا:'' یہ خاکسار حضرت مسیح موعود کے گھر میں پیدا ہوا اور یہ خدا کی ایک عظیم الشان نعمت ہے جس کے شکریہ کے لئے میری زبان میں طاقت نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ میرے دل میں اس شکریہ کے تصور تک کی گنجائش نہیں۔''

(سیرتِ طیبہ صفحہ 28)

آپ نے زندگی بھر اپنے آپ کو خدمتِ اسلام کے لئے وقف رکھا اور جو عہد اللہ تعالیٰ کے ساتھ ابتدائی زندگی میں کیا تھا، اُسے عسر اور یُسر کی حالت میں بھی نبھایا اور خوب نبھایا۔ آپ کی زندگی کا مقصد ایک اور صرف ایک تھا کہ اسلام دوبارہ زندہ ہو اور دنیا کو ایک زندہ خدا اور ایک زندہ نبی محمد (ﷺ) کی پہچان ہو۔ آپ نے اپنی تمام طاقتیں اور کوششیں اس مقصد کے حصول کے لئے بے دریغ خرچ کر دیں اور خدمتِ دین کا حق ادا کیا۔ اسلام اور احمدیت کے پودے کی اپنے خون اور قربانی سے آبیاری کی۔ اور دنیا کی کوئی کشش اس کے رستہ میں حائل نہ ہونے دی۔

ایک بیماری میں کسی نے عرض کیا کہ جب ڈاکٹر بار بار آپ کو مکمل آرام کا مشورہ دیتے ہیں تو آپ آرام کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا کہ یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا کہ میں خدمتِ دین سے ہٹ کر آرام کروں۔ اس واسطے جب کبھی تھوڑا بہت افاقہ ہوتا ہے تو کچھ خدمت دین کر لیتا ہوں۔'' (حیاتِ بشیر صفحہ 262)

سلسلہ کے اموال کی حفاظت کا آپ بے حد خیال رکھتے اور اپنی ذاتی ضروریات کے لئے دفتر کی سٹیشنری اور دیگر اشیاء استعمال نہیں فرماتے تھے۔ اور کارکنوں کو بھی اس کی تلقین فرماتے رہتے کہ بعض اوقات غیر ارادی طور پر بھی انسان دفاتر کی سٹیشنری وغیرہ سے فائدہ اٹھالیتا ہے۔ اس لئے کبھی کبھی کچھ نہ کچھ رقم ضرور خزانہ میں داخل کروا دیا کرو۔

اسی طرح ایک درخواست پیش ہونے پر فرمایا کہ سلسلہ کے اموال کی حفاظت کرنا ہم سب کا فرض ہے۔ پوری تحقیق کے بعد کسی کی درخواست پر سفارش کی جایا کرے۔ (مصباح قمر الانبیاء نمبر صفحہ 46)

آپ نہایت عالی حوصلہ، صابر اور زبردست قوتِ برداشت کے مالک تھے۔ ایک شخص نے آپ کو بہت تنگ کیا حتی کہ خطوط میں دھمکیاں دیں۔ حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر نے اینٹ کا جواب کم از کم اینٹ سے دینا چاہا اور جوابی مضمون لکھا مگر یہ کوہِ وقار اپنی جگہ سے نہ ہلا اور سختی کا جواب سختی سے دینا پسند نہ فرمایا۔ اس طرح آپ نے یہ کوشش فرمائی کہ بعید کو بعید تر نہ کیا جائے بلکہ قریب لانے کی کوشش کی جائے۔ (حیات بشیر ص34) آپ حضرت مسیح موعودؑ کی اس نصیحت پر گامزن تھے:

گالیاں سُن کر دعا دو، پاکے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو، تم دکھاؤ انکسار

موزوں اور بروقت نصیحت کرنا گویا آپ نے اپنے فرائض میں داخل فرما رکھا تھا۔ حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب جماعت میں بہت دیر سے آئے مگر اپنی قابلیت، متانت اور سنجیدگی کی وجہ سے بہت جلد ترقی کر گئے۔ حتّی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے انہیں مفتی سلسلہ کے منصبِ جلیلہ پر سرفراز فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب مجھے سلسلہ کا مفتی مقرر کیا گیا تو میں ذمہ داری کے بوجھ سے سخت پریشان تھا۔ انہی دنوں سرِ راہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے مسکراتے چہرے اور تبسم کناں لہجے میں فرمایا:

''افتاء کے لئے ضروری ہے کہ احمدیت کی رُوح سے پوری پوری واقفیت ہو۔ آپ بعد میں آئے ہیں۔ بچپن میں ماحول جو طبیعت بناتا ہے، اس کا آپ کو موقع نہیں ملا۔ اس لئے آپ کو زیادہ محنت کرنا ہوگی۔ خصوصاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت اور آپ کے خلفاء کے طریقِ عمل کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کریں۔ تب ہی آپ احمدیت کی رُوح کو اپنا سکیں گے۔ آپ اپنے ہر لفظ کی قیمت اور اس کے اثر کو سمجھیں کہ اس مقام پر آپ کے الفاظ سے ایک کثیر تعداد متاثر ہوگی۔''

(مصباح قمر الانبیاء نمبر ص 33-32، حیاتِ بشیر صفحہ 413)

دیکھئے کس خوبصورتی کے ساتھ آپ نے اُن کے مقام کو بھی واضح فرما دیا اور پھر اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کیلئے روشن راستے کی نشاندہی بھی فرما دی۔

سیدی حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب فرماتے ہیں: ''اپنے تمام واقفیت کے حلقہ پر نظر دوڑا کر پورے وثوق اور شرحِ صدر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آپ اس زمانہ کے بہترین ناصحین میں سے تھے۔'' (خالد فروری 1964ء ص 31)

گیسوئے اردو کے سنوارنے میں صوفیائے کرام اور مذہبی رہنماؤں کا بہت بڑا دخل ہے۔ اِس میدان میں جماعتِ احمدیہ کے ادباء اور صاحبِ قلم انشا پردازوں نے کچھ کم خدمات سرانجام نہیں دیں۔ سرِ فہرست تو خود حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا اسمِ گرامی ہے جنہوں نے اسی کے لگ بھگ کتب اُردو میں تصنیف فرمائیں۔ حضور کے علاوہ بھی جماعت نے ایسے صاحبِ طرز اہلِ قلم پیدا کئے جنہوں نے اس میدان میں کماحقہٗ خدمات سرانجام دیں۔ ان چوٹی کے چند ناموں میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کا وجودِ مبارک بھی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سلطان القلم قرار دیا ہے۔ حضرت میاں صاحب آپ کے صلبی بیٹے اور روحانی شاگرد تھے۔ اور آپ نے حضور علیہ السلام کی اس عظیم الشان خصوصیت سے گہرا ورثہ پایا تھا۔ آپ کی علمی اور فکری خدمات بے حد اعلیٰ اور نمایاں تھیں۔ حضرت میاں صاحبؓ کو اللہ تعالیٰ نے ایک منفرد اسلوب بیان عطا فرمایا۔ بلاشبہ آپ کی نثر کو ایک ایسے چمن سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جس میں رنگا رنگ کے پھول کھلے ہوں۔ سلیس اور رواں اندازِ بیان جس پر فصاحت و بلاغت قربان، لفظوں کی خوبصورت تراش، پسندیدہ، تراکیب، استعارات اور تشبیہات کا باسلیقہ استعمال آپ کی نثر کے طُرّ ہائے امتیاز قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

آپؓ کی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ آپ نے جس مسئلہ پر بھی قلم اُٹھایا، اُسے نہایت صاف، دلنشین اور آسان انداز میں بیان فرمایا۔ آپ کی تحریر دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ آپ نے اپنے پیچھے اُردو نثر میں جو وسیع زندہ جاوید لٹریچر کا سرمایہ چھوڑا، وہ رہتی دنیا تک سلطان القلم کے بیٹے اور عظیم شاگرد ہونے کی حقانیت پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا رہے گا۔ آپ کے قلم سے سیرت خاتم النبیین، سیرت المہدی، سلسلہ احمدیہ، تبلیغ ہدایت، ہمارا خدا، کلمۃ الفصل، ختمِ نبوت کی حقیقت، الحجۃ البالغۃ، چالیس جواہر پارے، سیرت طیبہ، درِ منثور، درِّ مکنون، آئینہ جمال، عید کی قربانیاں ایسی شاہکار تاریخی اور دیگر متعدد قابلِ قدر کتب کا اضافہ اُردو زبان میں ہوا۔ اس کے علاوہ الفضل اور دیگر رسائل میں شائع شدہ مضامین آپ کے غیر معمولی قلمی جہاد کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

حضرت میاں صاحب موصوف کو موقعہ اور وقت کے مطابق اپنی تحریر میں ایسا زور پیدا کرنے پر بھی قدرت حاصل ہے کہ جس سے کلام میں ایک اعلیٰ درجہ کا اثر اور تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے انتخاب کے موقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اے جانے والے! تجھے تیرا پاک عہدِ خلافت مبارک ہو کہ تُو نے اپنے امام و مطاعِ مسیح کی امانت کو خوب نبھایا اور خلافت کی بنیادوں کو ایسی آہنی سلاخوں سے باندھ دیا کہ پھر کوئی طاقت اسے اپنی جگہ سے ہلا نہ سکی۔ جا اور اپنے آقا کے ہاتھوں سے مبارکباد کا تحفہ لے۔ اور رضوانِ یار کا ہار پہن کر جنت میں ابدی بسیرا کر اور اے آنے والے! تجھے بھی مبارک ہو کہ تُو نے سیاہ بادلوں کی دل ہلا دینے والی گرجوں میں مسندِ خلافت پر قدم رکھا ہے۔ اور قدم رکھتے ہی رحمت کی بارشیں برسا دیں۔ تُو ہزاروں کانپتے ہوئے دلوں میں سے ہو کر تختِ امامت کی طرف آیا اور پھر صرف ایک ہاتھ کی جنبش سے ان تھرّاتے ہوئے سینوں کو سکینت بخش دی۔ آ اور ایک شکور جماعت کی ہزاروں دعاؤں اور تمناؤں کے ساتھ ان کی سرداری کے تاج کو قبول کر۔ تُو ہمارے پہلو سے اُٹھا ہے مگر بہت دُور سے آیا ہے۔ آ۔ اور ایک قریب رہنے والے کی محبت اور دور سے آنے والے کے اکرام کا نظارہ دیکھ۔'' (سلسلہ احمدیہ جلد اول ص 334)

یہ اقتباس حضرت میاں صاحبؓ کے پارہ ہائے نثر میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ الفاظ کی موزونیت، اندازِ بیان، زورِ کلام، تاثر، روانی، سلاست، غرضیکہ سب کچھ اس میں موجود ہے۔ (الفرقان قمر الانبیاء نمبر صفحہ 72-71)

خاکسار یہاں اس امر کے اظہار سے رُک نہیں سکتا کہ آپ نے جماعت کی علمی خدمت صرف اور صرف ثواب اور خدمتِ دین کی غرض سے فرمائی۔ اپنی کتابوں کی اشاعت اور فروخت سے کبھی مالی تعلق نہ رکھا اور نہ ہی اس کے نفع نقصان میں کوئی حصہ رکھا۔ آپ کا یہ اسوہٗ کس قدر روشن اور قابلِ تقلید ہے کہ اپنے لئے اور اپنے دوستوں کو تحفہ دینے کے لئے جو نسخے لیتے، وہ بھی اپنے پاس سے قیمت دے کر خریدتے تا ثواب میں کمی نہ آئے۔

اپنے رفقائے کار کے ساتھ حسنِ سلوک آپ کو اپنے عظیم والد سے ورثہ میں ملا تھا۔ چنانچہ سلسلہ احمدیہ کی تصنیف کے دنوں کی ایک یاد مکرم ملک محمد عبداللہ صاحب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ: ''رات کے بارہ ایک بجے تک کام ہوتا۔ ایک رات کام بہت زیادہ تھا۔ رات دو بجے تک کام کرتے رہے۔ بارش اور ہوا کی وجہ سے سردی بہت تھی۔ حضرت میاں صاحب ایک خوشنما دلائی اوڑھے ہوئے تھے۔ مَیں نے عرض کیا۔ یہ دلائی مجھے عنایت فرما دیں۔ آپ نے اسی وقت دلائی اتار کر مجھے

دے دی۔ میں بہت شرمندہ ہوا کہ ایسی سردی میں آپ نے دلائی اتار دی ہے۔ مَیں نے پھر عرض کیا کہ میں گھر تک چلتا ہوں۔ وہاں سے یہ لے آؤں گا۔ چنانچہ مکان پر جا کر آپ نے وہ دلائی مجھے دے دی۔ ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ دفتر کے نیچے سے آپ کی آواز آئی۔ کھڑکی سے نیچے دیکھا تو حضرت میاں صاحب نوراللہ مرقدہ رضائی لئے کھڑے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ رات کے دو بجے ہیں آپ نے یہ تکلیف کی! آپؓ نے رضائی دیتے ہوئے فرمایا: ''مَیں جب بستر میں لیٹ گیا تو مجھے خیال آیا کہ آج سردی بہت ہے۔ دلائی میں آپ کا گزارا کیسے ہوگا؟ ملازم سب سوئے ہوئے تھے۔مَیں نے سوچا یہ ثواب خود ہی حاصل کرلوں۔''

(الفضل20/ اکتوبر1963ءص3)

سبحان اللہ!! کیا شانِ کریمانہ ہے۔

واقفین زندگی کا بے حد احترام آپ کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ کئی مرتبہ آپ کسی اہم کام میں مصروف ہوتے یا بیماری کے باعث بستر سے الگ ہونا بھی دوبھر ہوتا مگر جونہی علم ہوتا کہ کوئی مبلغِ سلسلہ یا واقفِ زندگی ملاقات کے لئے حاضر ہوا ہے تو سب کام چھوڑ کر ان سے ملاقات کے لئے تشریف لے آتے۔

کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ نقرس کی تکلیف کے باعث بڑی مشکل سے دیوار کے ساتھ ہاتھوں کے ذریعہ سہارا لے کر باہر تشریف لائے اور اگر خود باہر نہ آسکتے تو مہمان کو اپنے کمرہ میں ہی بُلا لیتے اور لیٹے لیٹے اُن سے احوال دریافت فرماتے۔

(حیاتِ بشیر صفحہ 270)

غرباء پروری کا جذبہ اتنا عام اور نمایاں تھا کہ اپنے الگ، غیر احمدی حتّٰی کہ غیر مسلم بھی آپ سے فیض پاتے رہے۔ اس کی شہادت آپ کی وفات پر جالندھر سے نکلنے والے ایک اخبار ''بھیم پترکا'' دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''احمدی جماعت کے ممتاز اور ٹھکرائی خلق کے عظیم خدمت گار مرزا بشیر احمد صاحب ایک لمبی علالت کے بعد چند دن ہوئے پاکستان میں رحلت فرما گئے۔ مرزا صاحب علم و ادب اور بلند ترین انسانی قدروں کے مجسمہ تھے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی بنی نوع انسان کی بہتری اور بہبودی کے لئے صرف کی۔ اچھوت پکارے جانے والے کروڑوں دبے کُچلے لوگوں کو سماجی مخلصی سے نجات دلانے کے لئے جو قابلِ داد خدمت انہوں نے حیران کُن طریقوں سے سرانجام دی، اس کے لئے انہیں ہمیشہ کے لئے یاد کیا جاتا رہے گا۔''

(بھیم پترکا جالندھر بھارت اکتوبر1963ء بحوالہ الفضل29 اکتوبر1963ء ص23)

اس ضمن میں ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ قادیان کی ایک بوڑھی خاکروبہ سلام کے لئے حاضر ہوئی اور زمین پر بیٹھنے لگی تو آپؓ نے فرمایا اُٹھو کرسی پر بیٹھو۔ وہ عورت جسے گھر کے ایک خادم کے سامنے بھی کرسی پر بیٹھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اور جس کی ساری عمر مٹی میں لتھڑے ہوئے گزری، اُسے بہ اصرار کرسی پر بٹھایا اور اپنے خادمِ خاص بشیر سے کہا کہ قادیان سے آئی ہے، پرانی خادمہ ہے، اس کیلئے چائے لاؤ۔ (خالد فروری1964ء)۔ ذرّہ نوازی کی ایسی مثالیں کم کم ہی ملتی ہیں۔

حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر نے آپؓ کی سیرت کا خلاصہ بہت خوبصورت اور وجد آفریں انداز میں کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب کشتی نوح میں اپنی جماعت کو جن ہدایات پر کاربند ہونے کے لئے فرمایا ہے وہ ہدایات زیرِ عنوان ''ہماری تعلیم'' کشتی نوح میں درج ہیں اور دراصل یہ تعلیم قرآن حکیم اور حدیث شریف کا خلاصہ اور لب ہے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی زندگی اس تعلیم کا عملی نمونہ تھا۔ آپؓ کے اندر علم اور عمل کے کمالات تھے، عفو و درگزر، رفق و مدارات، تحمل اور برداشت، زہد و تعبد، اپنوں اور بیگانوں کی خیرخواہی اور ہمدردی، شجاعت اور انتظامی قابلیت، مہمات امور میں اور مشکل حالات میں ہمیشہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے جاں بکف اور سینہ سپر ہوجانا۔ یہ وہ اخلاق عالیہ تھے جن کو ایک دنیا نے مشاہدہ کیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ان اخلاق کریمہ کی وجہ سے آپ ایک ایسے انسان تھے جو احسن تقویم کا زندہ نمونہ تھے۔'' (حیاتِ بشیر صفحہ 28)

آخر پر حضرت میاں صاحب کا ایک پیغام ملاحظہ فرمائیں جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر معاندین احمدیت کے انسانیت سوز طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے آپؓ نے دیا۔ فرماتے ہیں:

''جب حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کی خبر مخالفوں تک پہنچی تو......ان لوگوں نے ہمارے سامنے کھڑے ہوکر خوشی کے گیت گائے اور مسرت کے ناچ ناچے اور شادمانی کے نعرے لگائے اور فرضی جنازے بنا بنا کر نمائشی ماتم کے جلوس نکالے''۔

اس کے بعد آپ نے جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''ہماری غم زدہ آنکھوں نے ان نظاروں کو دیکھا اور ہمارے زخم خوردہ دل سینوں کے اندر خون ہو ہو کر رہ گئے۔ مگر ہم نے ان کے اِس ظلم پر صبر سے کام لیا اور اپنے سینوں کی آہوں تک کو دبا کے رکھا۔ اس لئے نہیں کہ یہ ہماری کمزوری کا زمانہ تھا.... بلکہ اس لئے کہ خدا کے مقدس مسیح نے ہمیں یہی تعلیم دی تھی کہ:

گالیاں سن کے دعادو ، پا کے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

..... ہم اپنی آنے والی نسلوں کو بھی یہی کہتے ہیں۔ ہاں وہی نسلیں جن کے سروں پر بادشاہی کے تاج رکھے جائیں گے کہ جب خدا تمہیں دنیا میں طاقت دے اور تم اپنے دشمنوں کا سر کچلنے کا موقعہ پاؤ اور تمہارے ہاتھ کو کوئی انسانی طاقت روکنے والی نہ ہو تو تم اپنے گزرے ہوئے دشمنوں کے ظلموں کو یاد کرکے اپنے خونوں میں جوش نہ پیدا ہونے دینا اور ہماری کمزوری کے زمانہ کی لاج رکھنا تا لوگ یہ نہ کہیں کہ جب یہ کمزور تھے تو دشمن کے سامنے دب کر رہے اور جب طاقت پائی تو انتقام کے ہاتھ کو لمبا کردیا۔ بلکہ تم اس وقت بھی صبر سے کام لینا اور اپنے انتقام کو خدا پر چھوڑنا۔ ......اے آسمان گواہ رہ کہ ہم نے اپنے آنے والی نسلوں کو خدا کے سچے مسیح کی رحمت اور عفو کا پیغام پہنچا دیا۔'' (سلسلہ احمدیہ جلد اول صفحہ 186-185)

روح تھی جس کی غمِ انسانیت سے بے قرار
گفتگو تھی جس کی گلہائے مروّت کی بہار
اِک دِلِ بیدار چشمِ خود نگر رکھتا تھا
جو ذرّے ذرّے پر محبت کی نظر رکھتا تھا
جو عندلیبِ گلشنِ احمد وہ قمرالانبیاء
مہدی موعود کی قلبی دعاؤں کا صِلا

(جناب ثاقب زیروی)

اپنے ربّ کے ایک پیارے بندے کی پاک ومطہر زندگی

سیدنا حضرت مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ

(چودھری احمد علی. کینیڈا)

آج اللہ کے ایک پیارے بندے کی پاک اور مطہر زندگی میں سے چند چیدہ چیدہ باتیں لکھنے لگا ہوں جس کے بارے میں اللہ کے نبی امام آخرالزمان، حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے فارسی زبان میں ایک شعر کہا ہے:

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امّت نورِ دین بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پر از نورِ یقین بودے

حضرت امام مہدی علیہ السلام اپنے دعویٰ ماموریت سے پہلے یہ دعا کیا کرتے تھے: ''خدا تعالیٰ مجھے کوئی ایسا مددگار عطا فرمائے جو میرا دست و باز و ہو کر کام کر سکے''۔ چنانچہ جب حضرت مولانا حافظ حکیم نورالدینؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کیا تو انہیں دیکھتے ہی حضور علیہ السلام کے دل سے یہ صدا نکلی ''ھذا دعائی یعنی یہ مرد مومن میری دعاؤں کی قبولیت کا نتیجہ ہے''۔

حضرت مولانا حکیم مولوی نورالدینؓ بھی کوئی معمولی اور عام آدمی نہ تھے بلکہ ایک علم دوست باپ کے بیٹے اور عاشق قرآن ماں کی گود کے پالے تھے۔ حضرت مولانا نورالدینؓ نے اپنے والد ماجد کی علم دوستی کا واقعہ یوں بیان فرمایا ہے کہ: ''میرے باپ کو اپنی اولاد کی تعلیم کا بہت شوق تھا۔ مدن چند ایک ہندو عالم تھا، وہ کوڑھی ہو گیا۔ لوگوں نے اسے باہر شہر سے الگ مکان بنا دیا۔ میرے باپ نے اس کے پاس میرے بڑے بھائی کو پڑھنے کے لئے بھیجا۔ لوگوں نے کہا، کیسا خوبصورت بچہ ہے؟ کیوں اس کی زندگی کو ہلاکت میں ڈالتے ہو؟ میرے باپ نے کہا ''مدن چند جتنا علم پڑھ کر اگر میرا بیٹا کوڑھی ہوا تو پھر کچھ پرواہ نہیں''۔

ایک اور واقعہ اپنے والد کی علم دوستی کے ضمن میں یوں بیان فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ رحم فرمائے میرے باپ پر، انہوں نے مجھ کو اس وقت جب کہ میں تحصیل علم کے لئے پردیس جانے لگا، فرمایا: اتنی دور جا کر پڑھو کہ ہم میں سے کسی کے مرنے جینے سے ذرا بھی تعلق نہ رہے اور تم اس بات کی اپنی والدہ کو خبر نہ کرنا۔ کیونکہ والدہ آپ سے اتنی محبت کرتی ہیں کہ وہ وطن سے باہر جانے کی اجازت ہرگز نہیں دیں گی۔ یقیناً جو لوگ اپنی اولاد کے حقیقی خیر خواہ ہوتے ہیں وہ جذبات کی قربانی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے کیونکہ اس قربانی کے پس پردہ انہیں وہ کچھ نظر آتا ہے جس سے دوسرے قطعاً بے خبر ہوتے ہیں۔

اپنی والدہ ماجدہ کا بیان فرمودہ ایک نکتہ یوں بیان فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ رحم فرمائے میری والدہ پر، انہوں نے اپنی زبان میں عجیب عجیب طرح کے نکات قرآن مجید مجھ کو بتائے، ان میں سے ایک یوں ہے۔ 'تم اللہ تعالیٰ کی جس قسم کی فرمانبرداری کرو گے اسی قسم کے انعامات پاؤ گے اور جس قسم کی نافرمانی کرو گے اسی قسم کی سزا پاؤ گے۔ 'ھل جزاء الاحسان الّا الْاحسان'۔ ''میری والدہ کو قرآن کریم پڑھانے کا بڑا شوق تھا۔ انہوں نے تیرہ برس کی عمر میں قرآن مجید پڑھانا شروع کیا۔ چنانچہ ان کا یہ اثر ہے کہ سب بہن بھائیوں کو قرآن کریم سے بڑا ہی شوق رہا۔ میری ماں کبھی نماز قضاء نہ کرتیں۔ قرآن مجید کا پڑھنا کبھی قضا نہ کیا بلکہ میں نے اپنی ماں کے پیٹ میں قرآن مجید سنا، پھر گود میں سنا، پھر ان ہی سے پڑھا''۔

بچپن کے چند واقعات:

ا۔ میرے سامنے میرے ساتھ کھیلنے والے لڑکوں نے کبھی کوئی گالی نہیں دی بلکہ مجھ کو دیکھ کر دور سے آپس میں کہا کرتے تھے کہ یار وسنبھل کر بولنا۔

۲۔ میں بچپن میں دریائے جہلم پر، جو ہمارے شہر بھیرہ کے قریب ہے، جا کا تیرتا تھا۔

۳۔ مجھ کو اپنے سن تمیز سے بھی پہلے کتابوں کا شوق تھا۔ اس زمانے میں مفید کتابوں کے جمع کرنے کی بڑی کوشش کی۔ جب میں بچہ تھا تو تعجب کے ساتھ عربی کا یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

الله الذی جعل لکم اللیل لِتسکنوا فیه و ا لنهار مبصراً
ان اللّه الذی فضل علی الناس ولکن اکثر النّاس لایشکرون

۴۔ رات کے وقت بھی دنیا کے تفکرات کو نہ چھوڑنا فضول ہے۔ مومن کو چاہئے رات کو سکون کرے۔

ایک بزرگ کی نصیحت:

فرمایا: میں سفر میں جانے لگا تو ایک بزرگ کی بات یاد آئی جس نے کہا کہ ''جس شہر میں جاؤ وہاں چار شخصوں، یعنی ایک وہاں کے پولیس آفیسر، ایک طبیب، ایک اہل دل اور ایک امیر سے ضرور ملاقات رکھنا اور جس شہر میں چاروں نہ ہوں، وہاں جانا نہ چاہیے''۔

رام پور اور لکھنؤ کا عزم:

آپ نے ایک طالبعلم کی ترغیب پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے رام پور جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لاہور سے تین طالبعلموں کا مختصر سا قافلہ، ایک کو امیر بنا کر، پیدل عازم سفر ہوا اور صعوبات سفر برداشت کرتا ہوا کافی دنوں کے بعد رام پور پہنچا۔ وہاں کوئی واقفیت تو تھی نہیں ایک ویران سی مسجد میں تینوں نے جا کر ڈیرا لگا لیا۔ ایک سات آٹھ سال کی لڑکی دو دن صبح وشام کھانا لائی، تیسرے دن کھانا لاتے ہی کہا ''میری ماں کہتی ہے کہ آپ دعا کریں، میرا خاوند میری طرف توجہ کرے''۔ آپ فرماتے ہیں: ''میں نے اس کے خاوند کے پاس پہنچ کر اپنی طاقت کے موافق اسے خوب سمجھایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شخص نے اپنی بیوی کو رعائت سے بلایا اور

مجھ کو جناب الٰہی کے حضور شکر کا موقعہ ملا‘‘۔

حافظ عبدالحق صاحب سے ملاقات:

اب آپ کو فکر تھی مناسب مقام پر قیام کی اور حصول تعلیم کے لئے استادوں کی۔سوان دونوں امور کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو انتظام کیا اس کا یوں ذکر فرماتے ہیں:’’اسی دن شام کے قریب میں اکیلا پنجابیوں کے محلّہ کی ایک گلی میں ہو کر گذرا۔ وہاں ایک شخص حافظ عبدالحق صاحب راستہ میں مجھے ملے۔انہوں نے فرمایا۔آپ میری مسجد میں آکر رہیں۔میں نے کہا۔میں اکیلا نہیں۔ہم تین آدمی ہیں۔انہوں نے تینوں کی ذمہ واری اٹھالی۔تب میں نے کہا،ہم پڑھنے آئے ہیں۔یہ نہ ہو کہ لوگوں کے گھر سے روٹیاں مانگتے پھریں۔انہوں نے کہا،ایسا نہ ہوگا۔پھر میں نے کہا،ایسا نہ ہو کہ آپ اپنے محلّہ کے لڑکے ہمارے سپرد کر دیں۔انہوں نے کہا،یہ بھی نہ ہوگا۔پھر میں نے کہا،ہم کو کتابوں اور استادوں کی فکر ہے۔انہوں نے کہا،میں مدد دوں گا۔فجزاہ اللّٰہ خیراً۔انہوں نے ایک سال اپنے معاہدہ پر بڑی عمدگی سے گزارا۔رحمہ اللّٰہ تعالیٰ۔اس انتظام کو تسلی بخش پا کر آپ نے اس محنت سے تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں خاصی قابلیت پیدا کر لی۔

ایک علمی مباحثہ میں کامیابی:

ایک دن بہت سے طالبعلم اکٹھے ہو کر آپس میں مباحثہ کر رہے تھے۔جو سوال زیر بحث تھا۔آپ نے جب اس پر غور کیا تو ذہن میں ایک ایسا جواب آیا،جسے آپ کافی سمجھتے تھے۔چنانچہ آپ نے بلند آواز سے کہا کہ میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں۔اس پر آپ کی سادہ وضع قطع کو دیکھ کر بہت سے طالبعلموں نے یہ سمجھ کر یہ کیا جواب دے گا،آپ کی ہنسی اڑائی۔مگر پنجابی طالبعلموں نے کہا،جواب سن لینے میں کیا حرج ہے۔جب وہ جواب سننے پر آمادہ ہو گئے،تو آپ نے فرمایا،کسی مشہور نجومی کو حکم مقرر کرو۔چنانچہ ایک بزرگ مولوی غلام نبی صاحب حکم مقرر کئے گئے۔انہوں نے جب آپ کا جواب سنا تو بہت خوش ہوئے اور آپ کو ’’مولوی‘‘ کے لفظ سے خطاب فرمایا۔آپ فرماتے ہیں،اس وقت مجھ کو اپنے متعلق ’’مولوی جی‘‘ سننے سے بہت خوشی ہوئی۔اس کے بعد آپ نے ملاحسن،مشکوٰۃ، اصول شاشی،شرح وقایہ،و دیگر کتب مختلف استادوں سے پڑھنا شروع کیں۔یہ اس وقت کے بہت بڑے علمی خزائن تھے۔

ایک بزرگ شاہ عبدالرزاق صاحب سے ملاقات:

رامپور میں ایک بزرگ شاہ جی عبدالرزاق صاحب رہا کرتے تھے۔آپ اکثر ان کے ہاں جایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ چند دن وقفہ کے بعد گئے تو فرمایا کہ ’’نورالدین آپ اتنے دن کہاں رہے؟‘‘۔عرض کیا،حضرت ہم طالبعلموں کو اپنے درس و تدریس کے اشغال سے فرصت نہیں ملتی۔کچھ مجھ سے سستی بھی ہوئی۔فرمایا! کبھی تم نے قصاب کی دکان بھی دیکھی ہے؟ عرض کیا،اکثر اتفاق ہوا ہے۔فرمایا،تم نے دیکھا ہوگا کہ گوشت کاٹتے کاٹتے جب چھریاں کند ہو جاتی ہیں تو وہ ان کو تیز کرنے اور ان کی چربی اتارنے کے لئے انہیں آپس میں رگڑتا ہے۔عرض کیا کہ

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ارشاد فرماتے ہیں

’’مجھ کو کسی سے خود کوشش کر کے مباحثہ کرنے کی نہ کبھی خواہش ہوئی اور نہ اب ہے۔ہاں! جب کوئی مجبور ہی کر دے اور گلے ہی میں آ پڑے تو پھر خدائے تعالیٰ سے دعا مانگ کر مباحثہ کیا اور ہمیشہ کامیاب ہوا ہوں۔تم لوگ اس کا تجربہ کر کے دیکھو۔ہاں انبیاء علیہم السلام معذور ہوتے ہیں۔کیونکہ مامور ہوتے ہیں‘‘۔

حضرت اس سے آپ کا کیا مطلب؟ فرمایا:’’بس یہی کہ عدم ملاقات سے کچھ غفلت تم پر طاری ہو جاتی ہے اور کچھ ہم پر۔ملاقات کے موقعہ پر ہم پھر تیز ہو جاتے ہیں‘‘۔ان کی اس بات نے مجھے بہت ہی بڑے فائدے پہنچائے اور ہمیشہ مجھ کو یہ خواہش رہی کہ نیک لوگوں کے پاس آدمی کو جا کر ضرور بیٹھنا چاہیے۔اس سے بڑی بڑی سستیاں دور ہو جاتی ہیں۔

آپ کا عشق قرآن:

آپ نے 16 جون 1912ء کو لاہور میں دو پبلک لیکچر دیئے۔ان معرکۃ الآرا لیکچروں میں منکرین خلافت کے اعتراضات کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دیں۔اس روز تین بجے بعد دوپہر حضور لاہور سے امرتسر تشریف لائے اور بابو صفدر جنگ صاحب پنشنر کے مکان پر چند گھنٹے قیام رہا۔جہاں آپ نے سورۃ العصر کی ایک لطیف تفسیر کی۔اس سے اگلے روز احباب بٹالہ کے اصرار کی وجہ سے بٹالہ میں گذارا۔بٹالہ میں بھی آپ نے ایک تقریر فرمائی،جس میں قرآن کریم سیکھنے اور اس کی تبلیغ کی طرف توجہ دلائی۔اس سے اگلی صبح 19 جون 1912ء کو قادیان واپس تشریف لائے اور باوجود سفر کی تکالیف کے درس کا سلسلہ پھر شروع فرما دیا۔کیونکہ یہی آپ کی روحانی غذا تھی۔کیا خوب کہا سیف کشمیری نے:

چو داد درس کلام مجید صبح و شام
ہماری غذا وہماں شدہ طعام نورالدین

ترجمہ: صبح و شام اس طرح کلام مجید کا درس دیتے ہیں کہ یہی نورالدین کی غذا اور روٹی پانی ہے۔

درس قرآن شریف کا ایک خاص واقعہ:

محترم ڈاکٹر عبیداللہ خان بٹالوی کا بیان ہے کہ قریشی عبدالمجید صاحب گجراتی فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ لاہور تشریف لائے۔میرے والد صاحب، میں اور محمد خان صاحب آپ کے درس میں شامل ہوا کرتے تھے۔ایک دن دونوں نے انارکلی میں جاتے ہوئے کہا کہ پتہ نہیں حضرت مولوی صاحب درس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر کیوں نہیں کرتے؟ دوسرے دن جب کہ حضور درس دے رہے تھے،میاں محمد خان صاحب پہلے آئے اور قریشی صاحب کے والد صاحب بعد میں۔حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے فرمایا:’’بھیرہ میں نورالدین کے کچھ مکانات تھے اور کچھ زمین۔اسے یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ مکانات کس کے پاس

ہیں؟ موجود بھی ہیں یا گر گئے ہیں اور زمین کے متعلق بھی علم نہیں کہ کس کے استعمال میں ہے؟ کیا اس کے بعد یہ کہنا بجا ہے کہ میں مرزا صاحب کا ذکر نہیں کرتا؟ میرا تو سب کچھ ہی مرزا صاحب کا ہے''۔ قریشی صاحب خیال کرتے تھے کہ میاں محمد خان صاحب پہلے آئے تھے۔ انہوں نے ہماری باہمی گفتگو کا ذکر کر دیا ہوگا۔ مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایسا کوئی ذکر نہیں ہوا۔

خلافت کے موضوع پر آپ کی معرکۃ الآرا تقریر:

احمدیہ بلڈنگ لاہور میں خلافت کے موضوع پر آپ کی معرکۃ الآرا تقریر جو 16,17 جون 1912ء کو تھی فرمایا جس میں منکرین خلافت کے ایک ایک اعتراض کا مکمل اور مدلل جواب دیا گیا ہے۔ اس تقریر کے بعض اہم نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ تم کو بھی خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمارے بادشاہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد میرے ہاتھ پر تفرقہ سے بچایا۔ اس نعمت کی قدر کرو، نکمی بحثوں میں نہ پڑو۔ میں نے دیکھا ہے کہ آج بھی کسی نے کہا کہ خلافت کے متعلق بڑا اختلاف ہے۔ حق کس کا تھا اور دی گئی کسی کو۔ میں نے کہا، کسی رافضی سے جا کر کہہ دو کہ علی کا حق تھا، ابوبکر نے لے لیا۔

۲۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس قسم کی بحثوں سے تمہیں کیا اخلاقی یا روحانی فائدہ پہنچتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ نے چاہا، خلیفہ بنا دیا اور تمہاری گردنیں اس کے سامنے جھکا دیں۔ خدا تعالیٰ کے فعل کے بعد بھی تم اس پر اعتراض کرو تو سخت حماقت ہے۔ میں نے تمہیں بار بار کہا ہے اور قرآن مجید سے دکھایا ہے کہ خلیفہ بنانا انسان کا کام نہیں، بلکہ خدا کا کام ہے۔ آدم کو خلیفہ بنایا کس نے؟ اللہ تعالیٰ نے۔ اس خلافت آدم پر فرشتوں نے اعتراض کیا کہ حضور وہ **مفسد فی الارض** اور **مفسک الدم** ہوگا۔ مگر انہوں نے اعتراض کر کے کیا پھل پایا؟

۳۔ تم قرآن مجید میں پڑھ لو کہ آخر نہیں آدم کے لئے سجدہ کرنا پڑا۔ پس کوئی مجھ پر اعتراض کرے اور وہ اعتراض کرنے والا فرشتہ بھی ہو تو میں اسے کہہ دوں گا کہ آدم کی خلافت کے سامنے مسجود ہو جاؤ تو بہتر اور اگر وہ **ابیٰ** اور **استکبار** کو اپنا شعار بنا کر ابلیس بنتا ہے تو پھر یاد رکھے کہ ابلیس کو آدم کی مخالفت نے کیا پھل دیا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے ابوبکر و عمرؓ کو خلیفہ بنایا۔ رافضی اس خلافت کا ماتم کر رہے ہیں۔ مگر کیا تم نہیں دیکھتے، کروڑوں انسان ہیں جو ابوبکر و عمرؓ پر درود پڑھتے ہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے بھی خدا نے خلیفہ بنایا ہے۔

حضرت مولوی صاحب کی فدائیت کی چند شہادتیں:

۱۔ حضرت مولوی شیر علیؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ راولپنڈی سے ایک غیراز جماعت آئے جو اچھے متمول آدمی تھے اور انہوں نے حضرت اقدس علیہ السلام سے درخواست کی کہ میرا ایک بیمار ہے۔ حضور مولوی حکیم نورالدین کو اجازت دیں کہ آپ میرے ساتھ راولپنڈی تشریف لے چلیں اور اس کا علاج کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

''ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم مولوی صاحب کو یہ کہیں کہ آگ میں گھس جاؤ یا

> **حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ارشاد فرماتے ہیں**
>
> **''ایک مرتبہ میرے دل میں کسی گناہ کی خواہش پیدا ہوئی۔ مَیں نے بہت سی حمائلیں لے کر اپنی ہر ایک جیب میں ایک ایک حمائل رکھی۔ ایک حمائل ہاتھ میں رکھنے کی عادت ڈالی۔ بستر ے پر، الماری پر، مکان کی کھونٹیوں پر، غرض کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں قرآن سامنے نہ ہو۔ پس جب وہ خیال آتا قرآن سامنے ہوتا کہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ نفس تنگ ہو گیا اور اس گناہ کا خیال ہی جاتا رہا''۔**

پانی میں کود جاؤ، تو ان کو کوئی عذر نہیں ہوگا۔ لیکن ہمیں بھی تو مولوی صاحب کے آرام کا خیال چاہئے۔ **ان کے گھر میں آج کل میں بچہ ہونے والا ہے۔ اس لئے میں ان کو راولپنڈی جانے کے لئے نہیں کہہ سکتا''۔**

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ اس کے بعد حضرت حکیم مولوی نورالدینؓ حضور علیہ السلام کا یہ فقرہ بیان کرتے تھے اور اس بات پر خوش ہوتے تھے کہ حضرت صاحب نے مجھ پر اس درجہ اعتماد ظاہر کیا ہے۔

۲۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کا بیان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے جس قدر آدمی ہیں سب کو حضور علیہ السلام سے اپنے اپنے طریق پر محبت تھی مگر جس قدر محبت حضور سے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کو تھی اس کی نظیر تلاش کرنی مشکل ہے چنانچہ ایک دن میں حضرت مولوی صاحب کے پاس بیٹھا تھا وہاں ذکر ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی دوست کو اپنی لڑکی کا رشتہ کسی احمدی سے کر دینے کے لئے فرمایا مگر وہ دوست راضی نہ ہو۔ اتفاقاً اس وقت مرحومہ امۃ الحیٔ صاحبہ آپ کی بیٹی جو اس وقت بہت چھوٹی تھیں، کھیلتی ہوئی سامنے آ گئیں۔ حضرت مولوی صاحب نے اس دوست کا ذکر سن کر جوش سے فرمانے لگے کہ مجھے تو اگر مرزا کہے کہ اپنی لڑکی نہالی (مہترانی) کے لڑکے کو دے دو تو میں بغیر کسی انقباض کے فوراً دے دوں گا۔ یہ کلمہ انتہائی عشق و محبت کا ہے۔ مگر نتیجہ دیکھو کہ بالآخر وہی لڑکی حضور علیہ السلام کی بہو بنی اور اس شخص کی زوجیت میں آئی جو خود حضرت مسیح موعود کا حسن و احسان میں نظیر ہے۔

۳۔ ایک صاحب جن کا نام ماسٹر اللہ دتہ سیالکوٹی تھا، بیان کرتے ہیں 1900 یا 1901 کا واقعہ ہے کہ میں دارالامان میں موجود تھا ان دنوں ایک نواب صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی خدمت میں علاج کے لئے آئے ہوئے تھے، جن کے لئے ایک الگ مکان تھا، ایک دن نواب صاحب کے اہلکار (ایک مسلمان اور ایک سکھ) حضرت مولوی صاحب کے پاس آئے اور عرض کیا۔ نواب صاحب کے علاقہ میں لاٹ صاحب آنے والے ہیں (ان دنوں وائسرائے ہند کو لاٹ صاحب کہا

جاتا تھا) آپ ان لوگوں کے تعلقات کو جانتے ہیں۔اس لئے نواب صاحب کا منشا ہے کہ آپ ان کے ہمراہ وہاں تشریف لے چلیں۔حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں اپنی جان کا مالک نہیں۔میرا ایک آقا ہے۔اگر وہ مجھے بھیج دے تو مجھے کیا انکار ہے۔پھر ظہر کے وقت وہ اہلکار مسجد میں بیٹھ گئے۔جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے اپنا مدعا بیان کیا۔حضور نے فرمایا:

اس میں شک نہیں کہ اگر مولوی صاحب کو ہم آگ میں کودنے یا پانی میں چھلانگ لگانے کے لئے کہیں تو وہ انکار نہ کریں گے۔لیکن مولوی صاحب کے وجود سے ہزاروں لوگوں کو ہر وقت فیض پہنچتا ہے۔قرآن و حدیث کا درس دیتے ہیں۔اس کے علاوہ سینکڑوں بیماروں کا ہر روز علاج کرتے ہیں۔ایک دنیاداری کے کام کے لئے ہم اتنا فیض بند نہیں کر سکتے۔

اس دن جب عصر کے بعد حضرت مولوی صاحب درس قرآن شریف دینے لگے تو خوشی کی وجہ سے منہ سے الفاظ نہ نکلتے تھے۔فرمایا:''مجھے آج اس قدر خوشی ہے کہ بولنا محال ہے اور وہ یہ کہ میں ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا ہوں کہ میرا آقا مجھ سے خوش ہو جائے۔آج میرے لئے کس قدر خوشی کا مقام ہے۔میرے آقا نے میری نسبت اس قسم کا خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر نورالدین کو آگ میں جلائیں یا پانی میں ڈبو دیں تو پھر بھی وہ انکار نہیں کرے گا۔

۴۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں کہ:

''جن دنوں ہمارا چھوٹا بھائی مبارک احمد بیمار تھا ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ کو اُن کے دیکھنے کے لئے گھر میں بلایا۔اس وقت حضور علیہ السلام صحن میں ایک چارپائی پر تشریف رکھتے تھے اور صحن میں کوئی فرش وغیرہ بھی نہیں تھا۔مولوی صاحب آتے ہی آپؑ کی چارپائی کے پاس زمین پر بیٹھ گئے۔حضرت نے فرمایا: مولوی صاحب چارپائی پر بیٹھیں۔مولوی صاحب نے عرض کیا: حضور مَیں بیٹھا ہوں اور کچھ اونچے ہو گئے اور ہاتھ چارپائی پر رکھ لیا۔مگر حضرت صاحب نے دوبارہ یہی فرمایا تو مولوی صاحب اٹھ کر چارپائی کے ایک کنارہ پر پائینتی کے اوپر بیٹھ گئے''۔حضرت صاحبزادہ صاحبؓ نے اس روایت کے نیچے نوٹ ان الفاظ میں درج کیا ہے کہ ''مولوی صاحب میں اطاعت اور ادب کا مادہ کمال درجہ پر تھا''۔

> **حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ارشاد فرماتے ہیں**
>
> ''ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تم فلاں شخص کو کیسا سمجھتے ہو؟ مَیں نے کہا: بہت اچھا۔اُس نے پھر بہت اصرار سے کہا کہ تم بہت اچھا سمجھتے ہو؟ مَیں نے کہا: ہاں۔بعد میں اس نے کہا کہ وہ تو مرزا صاحب کو نہیں مانتا۔مَیں نے کہا اگر اس کو ملک بھی مان لیں تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ملائکہ نے ایک خلیفہ آدم (علیہ السلام) پر اعتراض و انکار غلطی سے کیا تھا''۔

> **حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ارشاد فرماتے ہیں**
>
> ''ایک مرتبہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ ہم تم کو عمل تسخیر بتائے دیتے ہیں۔مَیں نے کہا کہ قرآن کریم میں لکھا ہے کہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے ہم نے تمہارا مسخّر بنا دیا ہے۔اب اس سے زیادہ آپ مجھ کو کیا بتائیں گے؟ سن کر حیران سارہ گیا''۔

غرض آپ کی زندگی فدائیت کے واقعات سے معمور ہے۔یہ چند واقعات تو بطور نمونہ درج کئے گئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی حیات کا لمحہ لمحہ سلسلۂ حقہ کے لئے وقف تھا۔آپ عموماً سارا دن ایک نمدے کے اوپر بیٹھے رہتے تھے۔آگے ایک ڈیسک ہوتا تھا اس پر بیٹھ کر طلبِ علم کرتے۔اس پر بیٹھے بیٹھے قرآن و حدیث اور طب پڑھاتے تھے اور بعض دفعہ کھانا بھی وہیں منگوا لیتے تھے۔

محترم شیخ عبداللطیف صاحب بٹالوی فرمایا کرتے تھے کہ جب میں قادیان جاتا تھا تو اکثر سارا سارا دن آپ کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔عصر کی نماز کے بعد آپ مسجد اقصیٰ میں قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے۔ایک دن درس سے واپس آتے ہوئے مہندئے ڈپٹی صاحب کے مکان (جہاں اب صدر انجمن کے دفاتر ہیں) کے پاس مجھے بازو سے پکڑ کر فرمایا کہ عبداللطیف تم وہ وقت دیکھو گے کہ جب تم خلیفہ کو دیکھنے کے لئے ترسا کرو گے۔شیخ صاحب فرماتے ہیں، اس وقت تو میں آپ کی بات کا مطلب نہ سمجھا۔لیکن اب جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو دیکھنے کے لئے ترسنے لگے ہیں، تو بات سمجھ میں آئی ہے۔

قارئین کرام! اگر شیخ عبداللطیف صاحب مرحوم آج زندہ ہوتے تو اس قول کی صداقت کو یوں دیکھتے کہ اب خلیفہ کو دیکھنے کے لئے سالوں گزر جاتے ہیں۔اب تک جماعت بفضلہٖ تعالیٰ اتنی تعداد میں ہے کہ ملاقات کے لئے پیشگی وقت لیا جاتا ہے اور خلیفۂ وقت جس ملک کے دورہ کے لئے تشریف لے جاتے ہیں وہاں کے احمدیوں کا جلسوں ہی میں زیارت ہو جانا غنیمت سمجھا جاتا ہے۔

حکیم محمد صدیق صاحب آف میانی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت مولوی نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطب میں بیٹھے تھے۔اردگرد لوگوں کا حلقہ تھا۔ایک شخص نے آکر کہا کہ مولوی صاحب! حضور یاد فرماتے ہیں۔یہ سنتے ہی اس طرح گھبراہٹ سے اٹھے کہ پگڑی باندھتے جاتے تھے اور جوتا گھسیٹتے جاتے تھے تا کہ حضور کے حکم کی تعمیل میں دیر نہ ہو۔

آپ کے اپنے آقا و مطاع کے عشق کا یہ عالم تھا کہ جب خلیفہ ہو گئے تو اکثر فرمایا کرتے تھے۔تم جانتے ہو نورالدین کا یہاں ایک معشوق ہوتا تھا۔نورالدین اس کے پیچھے یوں دیوانہ وار پھرا کرتا تھا کہ اسے اپنے جوتے اور پگڑی کا بھی ہوش نہیں ہوا کرتا تھا۔

خدا رحمت کند این عاشقاں پاک طینت را

نشہ آور اشیاء سے بچاؤ

(ڈاکٹر لطیف احمد قریشی)

آج کل دنیا میں بہت سی برائیاں جڑ پکڑ گئی ہیں اُن میں سے ایک نشے کی عادت بھی ہے۔ نشہ کسے کہتے ہیں؟ اس کی کیا روک تھام ہے؟ اور اگر نشہ کی عادت ہو جائے تو اس کا کیا علاج ہے؟ یہ چند باتیں ہیں جو اس مختصر سے مضمون میں بیان کی جائیں گی۔

تو سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ نشہ کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ ہمارا روز مرّہ کا مشاہدہ ہے کہ کھانے پینے کی بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے استعمال کے بعد ہمارے دماغ کی کارکردگی متاثر ہو جاتی ہے۔ کسی کے کھانے کے بعد نیند آنے لگتی ہے۔ کسی کے کھانے کے بعد نیند اُڑ جاتی ہے۔ کسی کے استعمال کے بعد انسان کی سوچنے سمجھنے کی طاقت جاتی رہتی ہے غرض ایسی چیزیں ہمارے تجربہ میں ہیں اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نشہ وہ چیز ہے جس سے دماغ کی کارکردگی متاثر ہو اور اس کی عادت پڑ جائے اور اس کے استعمال کے بغیر جینا مشکل ہو جائے۔

بعض چیزیں ایسی ہیں جیسے کہ عام طور پر پی جانے والی چائے کہ جسے ہم روز پیتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہماری غذا کا حصہ ہے لیکن ایک دن اگر چائے نہ ملے تو سر میں درد ہو جاتا ہے، کسی کام کرنے کو دل نہیں کرتا جسم ٹوٹتا رہتا ہے اور چائے کی پیالی پیتے ہی سکون آ جاتا ہے۔ تو یہ بات بھی اکثر لوگوں کے تجربہ میں آئی ہے۔ اسی طرح سگریٹ ہے۔ وہ لوگ جو سگریٹ یا حقہ پیتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک دن بلکہ چند گھنٹے بھی وہ سگریٹ نہ پی سکیں تو عجیب بے چینی کا سامنا ہوتا ہے۔ کسی کام میں دل نہیں لگتا، توجہ قائم نہیں رہتی، اور صرف سگریٹ کے دو کش لگاتے ہی تمام اداسی غائب ہو جاتی ہے اور زندگی معمول کے مطابق آ جاتی ہے۔ شراب بھی بعض لوگوں کی خوراک کا حصہ ہوتی ہے اور اگر ان کو وہ نہ ملے تو اسی قسم کی حالت ان کی بھی بنتی ہے۔

تو اس کی کیا وجہ ہے؟ تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چیز جو ہمارے کھانے پینے کے استعمال میں آتی ہے ان میں بعض مرکبات ہوتے ہیں جو اپنے مخصوص اثرات رکھتے ہیں چنانچہ شراب میں ایتھائل الکوحل ہوتی ہے جو دماغ پر اثر کرتی ہے اور اس کے کام کو سست کر دیتی ہے اور یہ اثرات اس مقدار پر منحصر ہے جو استعمال کی جائے۔ اسی طرح کافی، چائے اور کولا مشروبات میں کیفین ہوتی ہے جو دماغ کے کام کو تیز کر دیتی ہے نیند اُڑ جاتی ہے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور پیشاب بار بار آنے لگتا ہے۔ تمباکو میں نکوٹین ہوتی ہے جو دماغ اور حرام مغز کے اعصاب پر اثر کرتی ہے اور مختلف قسم کے عوارض پیدا کرتی ہے۔ تمباکو کو سگریٹ، حقہ، پان، بیڑی اور نسوار وغیرہ میں ڈالا جاتا ہے اور جس طرح بھی استعمال کیا جائے اپنا اثر دکھاتا ہے۔ پھر ان تمام مرکبات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ استعمال کرنے والوں کو کچھ عرصہ استعمال کے بعد ان کو چھوڑنے میں بڑی دقت اور دشواری ہوتی ہے گویا ان کی عادت پڑ جاتی ہے اور اسی کو نشہ کہتے ہیں۔

نشہ کی اقسام

سائنس کی تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ دماغ پر اثر کرنے والے کیمیاوی مرکبات کی بہت سی قسمیں ہیں لیکن ہم یہاں صرف چند ایک کا ذکر کریں گے۔

ا۔ دماغ کے کام کو سست کرنے والے مرکبات میں سرفہرست شراب کی مختلف اقسام، افیم اور اسکے مرکبات اور دماغ پر اثر کرنے والی سکون آور ادویات شامل ہیں۔

۲۔ دماغ کے کام کو تیز کرنے والے مرکبات میں کیفین (جو کافی، چائے اور کولا مشروبات میں پائی جاتی ہے) کے علاوہ کوکین اور سانس کی نالیوں کو کھولنے والی بعض ادویات شامل ہیں۔

۳۔ دماغ کے احساسات پر اثر کرنے والے بعض مرکبات چرس اور بھنگ میں پائے جاتے ہیں جن کے استعمال کے بعد انسان کا ذہن ماؤف ہو کر غیر معمولی احساسات کا تجربہ کرتا ہے جو بعض اوقات مستقل شکل اختیار کر کے دماغی بیماری کا روپ دھار لیتی ہے۔

۴۔ تمباکو میں پائے جانے والے بعض مرکبات بھی اعصابی نظام پر اثر ڈالتے ہیں۔ اس میں نکوٹین سرفہرست ہے۔ جس کی وجہ سے تمباکو استعمال کرنے کی عادت اس طرح پڑتی ہے کہ اس کا چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔

نشہ کی روک تھام

نشہ کی عادت کی بہترین روک تھام یہ ہے کہ اس کی عادت ہی پڑنے نہ دی جائے۔ مثلاً سگریٹ نوشی روکنے کے لئے بچپن کی عمر سے ہی یہ بات ہر ایک کو ذہن نشین ہونی چاہئے کہ یہ نشہ ہے اور صحت کو نقصان پہنچاتا ہے اسی طرح شراب اور افیم وغیرہ کے متعلق بچے بچے کو اس کا علم ہونا چاہئے کہ یہ نقصان پہنچانے والی چیزیں ہیں اور ان سے بچنا ہے۔ حکومت اور معاشرے کا فرض ہے کہ نشہ آور اشیاء کے خلاف مسلسل ایسے قوانین بنائیں جن کے ذریعے سے نشہ آور چیزوں کی فراہمی نہ ہو سکے۔، والدین، اساتذہ اور قوم کے تمام دوسرے بزرگوں کو عمومی طور پر اس امر کی نگرانی کرنی چاہئے کہ اس قسم کی نشہ آور چیزیں معاشرہ میں دستیاب نہ ہو سکیں اور ہر عمر کے لوگ ان چیزوں سے دور رہیں۔ بعض ممالک میں ایک خاص عمر سے کم عمر کے افراد کو سگریٹ یا شراب بیچنا انتہائی سنگین جرم ہوتا ہے اور بیچنے والا دکاندار ایسا کام کرنے پر پکڑا جاتا ہے اور سزا پاتا ہے۔ لیکن ان ممالک کے لوگ یہ نہیں سوچتے کہ ایک چیز جو اٹھارہ سال سے کم عمر کے لوگوں کے لئے اتنی مضر ہے تو اس عمر کے بعد وہی چیز مضر کیوں نہیں ہے حالانکہ ان چیزوں کے استعمال کے نقصانات کا ہر روز مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ تین اقدامات ہیں جو نشے کی عادت کو کسی معاشرے میں روکنے کے لئے ضروری ہوتے ہیں اول یہ کہ بہت چھوٹی عمر سے نشہ کے متعلق لوگوں کی تعلیم اور تربیت کی جائے مثلاً تمباکو، افیم، شراب اور دوسری نشہ آور اشیاء کے استعمال کی خرابی اور قابل نفرت عادت کے متعلق بچہ بچہ کی تربیت کی جائے۔ دوئم یہ کہ معاشرے کی کڑی نگرانی ہونی چاہئے کہ نشہ آور چیزوں کی دستیابی نہ ہو سکے اور سوئم ایسی عادتوں کو فروغ دینے والوں کے خلاف سخت تعزیری کارروائی ہو اور قوانین بنائے جائیں اور پورے طور پر نافذ کئے جائیں۔

نشے کی عادت کا علاج

کسی بھی نشے کی عادت پڑ جائے تو وہ بہت نقصان دہ ہوتی ہے اس لئے اس کے علاج کے متعلق بہت غور وفکر کرنی ضروری ہے۔ گو کہ ہر نشہ آور چیز کی عادت چھڑانے کا علاج مختلف ہے لیکن بعض ایسے اصول بھی ہیں جو ہر نشے کی عادت کے دور کرنے اور اس سے چھٹکارہ پانے کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں۔ ان اصولوں کے متعلق ہمیں قرآنِ کریم میں راہنمائی ملتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

'اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو یقیناً مدہوش کرنے والی چیز اور جوا اور بت اور تیروں سے قسمت آزمائی یہ سب ناپاک شیطانی عمل ہیں پس ان سے پوری طرح بچو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ'۔ (سورۃ المائدۃ:91)

ایک اور آیت میں فرمایا: 'وہ تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں تو کہہ دے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ (بھی) ہے اور لوگوں کے لئے فوائد بھی اور دونوں کا گناہ (کا پہلو) ان کے فائدہ سے بڑھ کر ہے.....' (البقرۃ:220)

اسلام کے ابتدائی زمانے میں شراب نوشی کی ممانعت نہیں تھی اور عربوں کے زمانہ جاہلیت میں شراب کثرت سے پی جاتی تھی اور یہ لازمی امر ہے کہ کچھ لوگ اس کے عادی بھی ہو نگے کیونکہ شراب پینے والوں میں ایک خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہو جاتی ہے جو شراب پئے بغیر گزارہ نہیں کر سکتے اور انکو انگریزی میں alcoholics کہا جاتا ہے۔ تاریخ میں آتا ہے کہ اس قوم میں شراب نوشی کے پانچ اوقات ہوا کرتے تھے۔ اسلام میں عبادت کا نظام قائم ہوا تو انہی پانچ اوقات میں نمازیں پڑھی جانے لگیں۔ ممکن ہے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں جو نشے کی حالت میں عبادت کے لئے آ جاتے ہوں جیسا کہ اس آیت جس کے ایک حصے کا ترجمہ درج ذیل ہے سے ظاہر ہوتا ہے: 'اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم پر مدہوشی کی کیفیت ہو۔ یہاں تک کہ اس قابل ہو جاؤ کہ تمہیں علم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو.....' (سورۃ النساء:44)

یہ واقعہ بھی تاریخ میں محفوظ ہے کہ جب شراب کی حرمت کے احکامات نازل ہوئے تو اس کا اعلان مدینہ کے گلی کوچوں میں کیا گیا اس وقت کسی مجلس میں شراب نوشی کی محفل سجی ہوئی تھی۔ جب پکارنے والے نے اعلان کیا تو پینے والوں نے شراب کے مٹکے توڑنے کے بعد ان نئے احکامات کی تصدیق کی اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس دن مدینے کی گلیوں میں شراب بہتی رہی اور پھر صحابہ نے شراب سے ہمیشہ کے لئے تعلق توڑ لیا۔ یہ حیرت انگیز انقلاب ایک ایسی قوم میں دیکھنے میں آیا جس کی گھٹی میں شراب نوشی پڑی ہوئی تھی۔

نشہ ترک کرنے کے لئے اور نشے کے عادی افراد کے علاج کے لئے جو اشارے یہاں ملتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ پختہ یقین ہونا ضروری ہے کہ نشہ پیدا کرنے والی جملہ اشیاء انسانی صحت کے لئے مضر ہیں اور زہریلی ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان میں سے بہت سی چیزیں خاص طور پر افیم اور اس کے اجزاء دواؤں میں اور علاج میں استعمال ہوتے ہیں چنانچہ مندرجہ بالا آیت جس کا ترجمہ تحریر کیا گیا ہے اس میں یہ بات بیان کی گئی ہے لیکن ساتھ ہی ایک سنہری اصول یہ بھی بیان ہوا ہے کہ کوئی بھی چیز جس کے نقصانات اس کے فوائد سے زیادہ ہوں ایسی چیزوں سے بچنا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نشہ چھوڑنے کے لئے پختہ ارادہ اور مضبوط قوت ارادی کی ضرورت ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں یہ انسانی وصف ہمیں بدرجہ اتم نظر آتا ہے اور یہ وصف اللہ کی ذات پر پختہ ایمان، رسول اللہ کے پاکیزہ نمونے پر عمل کرنے کی شدید خواہش اور مستقل دعا اور عبادات سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ وصف آج بھی انہی اصولوں پر عمل کے نتیجے میں پیدا ہو سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں ہر انہونی بات بھی ہو جاتی ہے۔

تیسری ضروری بات یہ ہے کہ نشے میں مبتلا لوگوں کی مدد اور علاج کیلئے قومی اور اجتماعی طور پر کوشش کی ضرورت ہے۔ نشہ آور چیزوں کے حصول میں مشکلات ہونی چاہئیں۔ چنانچہ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں بیماریوں کے علاج میں استعمال ہونے والی ادویات جو کہ سب کی سب زہریلی ہوتی ہیں بغیر ڈاکٹری نسخہ کے خریدی نہیں جاسکتیں۔ افیم اور اس کے تمام اجزاء، شراب کے مختلف محلول، کیفین، کوکین اور بہت سی انتہائی خطرناک چیزیں ڈاکٹری نسخہ کے ذریعہ سے بکتی ہیں اور استعمال کروائی جاتی ہیں لیکن ان کے استعمال پر کڑی نظر رکھنے کا باقاعدہ نظام قائم ہے۔ چنانچہ نشہ آور چیزوں کے کنٹرول کے لئے اس نظام کی ضرورت ہے۔

ایک بات جو اس سلسلے میں اہمیت رکھتی ہے وہ صحبت ہے۔ عمومی طور پر ایک چیز کے عادی افراد ایک دوسرے کے ہمراہ رہ کر اپنی نشے کی عادت کو برقرار رکھتے ہیں۔ چنانچہ شراب نوشی کرنے والے شراب خانوں کا رخ کرتے ہیں اور دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ اپنی بری عادت کو برقرار رکھتے ہیں۔ اسی طرح سگریٹ، حقہ اور چرس پینے والے لوگ دوسرے عادی افراد کے ساتھ مل کر اپنے نشے سے حظ اٹھاتے ہیں۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ حقہ ایک آدمی تازہ کر کے لاتا ہے اور دس افراد باری باری اس کے کش لگاتے ہیں۔ اس لئے نشہ ترک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کی صحبت ترک کر دی جائے جو اس نشے کے عادی ہیں اور ترک کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ بھی مفید ہے کہ ایسے معالج کی مدد حاصل کی جائے جو کسی بھی خاص نشہ کی عادت چھڑانے میں مہارت رکھتا ہو۔ چنانچہ بعض ممالک میں شراب نوشی چھڑانے کے ادارے قائم ہیں جو ایسے افراد کے علاج میں مدد دیتے ہیں۔

سب سے آخری لیکن بہت اہم بات یہ ہے کہ کسی بھی بری عادت سے چھٹکارا حاصل کرنے میں دعا کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرنی چاہئے۔ کامیابی کا یہ گر ہمیں ایک روایت جو حضرت منشی فیاض علی کپورتھلوی نے بیان کی ہے:

'حضرت منشی صاحب حقہ نوشی کے عادی تھے۔ جالندھر میں حضرت اقدس نے وعظ فرماتے ہوئے حقہ نوشی کی مذمت فرمائی۔ حضرت منشی صاحب نے حضرت اقدس سے عرض کی کہ حقہ چھوڑنا مشکل ہے دعا فرمائی جائے تو چھوٹ جائے۔ حضور نے فرمایا کہ آؤ ابھی دعا کریں چنانچہ دعا کروائی گئی۔ اس کے بعد حضرت منشی صاحب نے خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت نفیس حقہ آپ کے سامنے لایا گیا۔ آپ نے حقہ کی نے منہ سے لگانی چاہی تو نے سیاہ سانپ بن کر لہرانے لگی۔ اس سے دل میں خوف پیدا ہوا اور آپ نے سانپ کو مار دیا اور پھر حقہ نوشی نہیں کی اور اس سے نفرت ہوگئی۔' ('313 اصحاب صدق وصفا' صفحہ 39)

اللہ سے دعا ہے کہ ہم کو اور ہماری نسلوں کو ہر قسم کے نشہ سے محفوظ رکھے۔

اَنصار ڈائجسٹ

فرخ سلطان محمود

خصوصی کمیٹی میں کیا گزری؟

زندہ قوموں کی تاریخ میں ایسے ادوار آتے رہتے ہیں جب انہیں اپنی اور اپنے نظریات کی بقا اور حفاظت کے لئے انفرادی اور اجتماعی سطح پر قربانیاں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ شائد یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ کسی قوم کی زندگی کے لئے اُس کے افراد کا ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا اور مادی قربانیاں پیش کرتے ہوئے اپنے اعلیٰ مقصدِ حیات اور مطمحِ نظر کو پیش نظر رکھتے ہوئے فخر و شکر کا اظہار کرنا ایک نہایت قابل تحسین امر ہے۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ ایک ایسی زندہ اور زندگی بخش حقیقت ہے جو اپنی سوا سو سالہ تاریخ میں شدید مخالفتوں اور ابتلاؤں کا شکار ہوئی لیکن اس کا قدم ہمیشہ آگے ہی آگے بڑھتا گیا اور کسی معاند کا شر جماعت احمدیہ کے راستہ کی رکاوٹ نہیں بن سکا۔ اگرچہ شریروں کی شرارتوں سے انفرادی یا اجتماعی طور پر بے شمار احمدیوں کو ابتلا پیش آئے اور معصوم احمدیوں کو مشق ستم بنایا گیا۔ لیکن اِن مظالم کے نتیجہ میں بھی بظاہر وقتی طور پر ترقی کا قدم دھیما ہوتا ہوا نظر تو آیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ سکوت صرف اس لئے تھا کہ ایک بڑی جست کے لئے قوت مجتمع کی جائے۔ چنانچہ ہر ایسے ابتلاء کے بعد عالمگیر جماعت احمدیہ فتوحات کی ایسی عظیم الشان راہوں پر قدم مارتی ہوئی نظر آئی جن کا تصور بھی اس ابتلاء سے پہلے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ نظارہ احمدیوں نے بارہا دیکھا کہ خلوصِ دل اور پُرعزم حوصلوں کے ساتھ علاقائی اور قومی سطح پر دی جانے والی قربانیوں کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت عطا فرما کر عالمگیر سطح پر ایسی شاندار ترقیات سے نوازا جس نے مومنین کے ایمانوں کو مزید مضبوط کیا۔

پس کسی احمدی کا قربانی پیش کرنے کے لئے تیار رہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے کیونکہ یہ قربانی احمدیت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے علاوہ اسے شاندار ترقیات اور غیر معمولی فتوحات کے راستہ پر رواں دواں رکھنے کے لئے بھی مہمیز کا کام کرتی ہے۔ لیکن دوسری طرف مخالفین کے ظالمانہ اقدامات اپنی انتہائی سفا کی تک پہنچنے کے باوجود بھی اُنہیں حسرت و یاس کے علاوہ کچھ عطا نہیں کرتے۔ بلکہ معاندین تو اپنی قلبی عداوت اور شقاوت میں سب کچھ بھی کر گزریں تو بھی اُن کا اندرونی حسد اور تعصب کا دوزخ اُن کو مجبور کرتا چلا جاتا ہے کہ وہ اس آگ کو مزید بھڑکائیں اور ھَلْ مِنْ مَزِیْد کے نعرے لگاتے ہوئے اپنی ناکامیوں اور نامرادیوں کی لکیر پیٹنے کے ساتھ اپنی نام نہاد فتح کا ڈنکا بجانے کے لئے کذب و افتراء کی ایک ایسی عمارت تعمیر کریں جس کی بیرونی دیوار کی ہر اینٹ ابوجہل کی وحشت و جہالت سے مستعار لی گئی ہو اور اُس عمارت کا اندرونہ ابولہب کی بھڑکائی ہوئی اُس آگ کی طرح ہو جو آخرکار بھڑکانے والے کو ہی جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ دشمن کی یہی آتشِ حسرت و یاس دوسری طرف ابراہیمی طیور کے لئے ایک ایسی بہشت بن کر گُل و گلزار کا سا سماں پیدا کر دیتی ہے جو مومنین کے لئے دنیا و آخرت میں امن و سکون کی ضمانت بن جاتی ہے۔

معاندین احمدیت نے بار بار اپنا نشتر معصوم احمدیوں پر آزمایا اور اپنی سی انتہائی کوشش کرنے کے باوجود بھی اپنی نامرادیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے بدنصیب دل پر احمدیت کی کامیابیوں کے رعب کو بھی محسوس کیا۔ لیکن پھر عیار شعبدہ بازوں کی سی قبیح حرکات کرتے ہوئے اپنی اندوہناک شکست کو فتح کا لبادہ پہنانے کے لئے میدان میں اتر آئے اور اپنی زبان و قلم سے جھوٹے دعووں کے انبار پر انبار لگاتے رہے۔ اپنے شکست خوردہ رہنماؤں کو ایسے القابات سے نوازتے رہے گویا وہ احمدیت کے خلاف ایسی تلوار ثابت ہوئے جس نے احمدیت کو صفحہ ہستی سے گویا نابود ہی کر دیا۔ ایسے شرمناک دعوے کرنے والے نہیں جانتے کہ اُن کا مقابلہ ''سلطان القلم'' کے ایسے غلاموں سے ہے جو اپنے دشمن کی ہر مکارانہ چال کو نہ صرف اچھی طرح پہچانتے ہیں بلکہ اپنے امام کی اقتداء میں زبان و قلم کے ہر محاذ پر کذب و افتراء کی ملمّع کاریوں کے دانت کھٹے کرنے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ 'سلطان القلم' کے غلاموں میں آج ایسے کئی سلطان ہیں جن کی زبان اور قلم سے بہتا ہوا سچائی کا دریا دشمن کی کذب و افتراء کی سیاہی کو اپنے ساتھ بہا لئے جاتا ہے۔

سردست ایک ایسی کتاب ہمارے پیش نظر ہے جسے مرتب کرنے والے محترم ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صاحب کی غیر معمولی کاوشیں اُن کے لئے بے شمار دعاؤں اور محبتوں کے تحفے لا رہی ہیں۔ یہ اہم کتاب اسلامی جمہوریہ پاکستان کی تاریخ کے ایک ایسے سیاہ باب سے پردہ اٹھاتی ہے جو افسوسناک ہے اور شرمناک بھی۔ اس کتاب میں اُس دوسری آئینی ترمیم کا پس منظر بیان کرنے کے بعد اس ترمیم کے اُن بداثرات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے جس کے نتیجہ میں لاکھوں کلمہ گو پاکستانی احمدی اپنے ہی وطن میں، بیک جنبش قلم، دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے دیئے گئے۔

''خصوصی کمیٹی میں کیا گزری!'' نامی اس کتاب میں دوسری آئینی ترمیم کے حوالہ سے اٹھائے جانے والے ظالمانہ اقدامات کے پس پردہ اُن عوامل کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے جن کا لبادہ اوڑھ کر شاطر دشمن اپنے وطن کے معصوم عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں چالیس سال سے مصروف ہے۔ اس کتاب میں پاکستان قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کی اُس ''خصوصی کارروائی'' کی حقیقت پیش کی گئی ہے جس کا سہارا لے کر نام نہاد علماء گزشتہ چالیس سال سے احمدیت کے خلاف زہرافشانی کرتے ہوئے وہ فلک شگاف نعرے لگا رہے ہیں جن کا سچائی سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

محترم ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صاحب کو معاملات کو گہرائی میں جا کر سمجھنے کا خوب سلیقہ ہے اور آپ جسمانی بیماریوں کے علاوہ معاشرتی اور اخلاقی بیماریوں کی تشخیص کا ملکہ بھی رکھتے ہیں۔ بیماری کے پیش نظر اگر نشتر بھی چلانا پڑے تو بھی ہمدردی کا پہلو آپ کے سامنے رہتا ہے۔ حالات و واقعات خواہ کیسے ہی قلمبند کئے جا رہے ہوں، آپ کا قلم کبھی بھی بے قابو ہو کر

تعصّب کا زہر نہیں اُگلتا۔ چنانچہ آپ کی بہت سی دیگر تصانیف کی طرح یہ کتاب بھی فہیمانہ تحریر کا ایک خوبصورت نمونہ ہے اور اس قابل ہے کہ اسے نہ صرف خود پڑھا جائے بلکہ ایسے شریف النفس دوستوں کو بھی برائے مطالعہ دی جائے جو آئینِ پاکستان میں 1974ء میں کی جانے والی ایک اہم ترین ترمیم کا تجزیہ کرنے کا شوق (تاریخی حقائق کے حوالہ سے) رکھتے ہوں۔

اس کتاب کی اہمیت ہم احمدیوں کے لئے تو یوں بھی ہے کہ چالیس سال سے ہم معاندین کی وہ لغویات سنتے چلے آرہے تھے جو سینہ بہ سینہ چلنے والی روایات کے علاوہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ دوسری طرف ہمارے پاس کوئی ایسی دستاویز بھی نہیں تھی کہ خصوصی کمیٹی میں ہونے والی کارروائی کی حقیقت ہم جان سکتے۔ اس کتاب کی اشاعت نے اِس کمی کو نہایت خوش اسلوبی سے دُور کردیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت اس وقت ممکن ہوئی جب پاکستان قومی اسمبلی کی سپیکر محترمہ فہمیدہ مرزا کی زیرِہدایت قومی اسمبلی کی اُس کارروائی سے پردۂ اخفا اٹھالیا گیا اور پابندی ختم کردی گئی جس پر چار دہائیاں قبل (مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے) پابندی عائد کی گئی تھی۔ اب یہ کارروائی سرکاری طور پر شائع کردی گئی ہے مگر بالعموم دستیاب نہیں ہے۔

اس کتاب کی اہمیت ایسے غیراز جماعت شرفاء کے لئے بھی ہوگی جو قومی اسمبلی کی 'خصوصی کمیٹی' کے اندرونی حقائق جاننے کے باوجود بھی یہ معلوم کرنے سے قاصر تھے کہ اتنے وسیع پیمانہ پر چلائی جانے والی شاطرانہ چالوں کا آخری مقصد کیا ہوسکتا ہے۔ وہ یہ تو جانتے تھے کہ اِس آئینی ترمیم کا اسلام سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے لیکن انہیں اِس سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا کہ (کذب بیانی کے ماہر) مذہبی لبادہ اوڑھنے والوں نے بعض بدقسمت سیاستدانوں کے کندھوں کو استعمال کرنے کے لئے اُنہیں ایسے کون سے سبز باغ دکھائے تھے جو کبھی بھی ثمر بار نہ ہوسکے۔

اس کتاب کی اہمیت شاطرانہ چالوں میں مہارت رکھنے والے ایسی مذہبی شرپسندوں کے لئے بھی یقیناً ہوگی جو 1974ء میں اِس آئینی ترمیم کو کروانے کے لئے ہر بدبختی قبول کرنے پر (کشادہ دلی سے) آمادہ تھے۔ یہ کتاب اُنہیں آئینہ دکھاتے ہوئے ثابت کررہی ہے کہ سچائی پر ڈالے جانے والے کذب کے تمام پردے آخر چاک ہوکر رہتے ہیں اور افتراء کے بادلوں سے صداقت کے سورج کا نُور چھپایا نہیں جاسکتا۔ جب بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ سورج اپنا چہرہ دکھاتا ہے تو ایک دنیا "جاء الحق و زھق الباطل" کا شاندار نظارہ ضرور دیکھتی ہے۔

اس کتاب کی اہمیت تاریخ کے اُن طالب علموں کے لئے بھی ہے جو معاملات کو درست کرنے کی سعی تو کرتے ہیں لیکن محض جھوٹ کے دبیز پردوں نے اُن کے ذہن کو حقیقت سے کوسوں دُور کردیا ہے۔ اس کتاب سے واضح طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ خصوصی کمیٹی کی کارروائی میں اسمبلی کے سامنے معاملہ کس رنگ میں زیربحث لایا گیا تھا، اسمبلی کے آئینی اختیارات کیا تھے، جماعت احمدیہ کا مؤقف کیا تھا، سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالثؒ پر جو جرح کی گئی تھی اس کا اثر اور ماحصل کیا تھا، قومی اسمبلی اس معاملہ سے کس انداز سے نبردآزما ہوئی اور کہاں تک اس نازک ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکی۔ توقع کی جانی چاہئے کہ آنے والے دنوں میں اہل علم اور اہل نظر حلقوں کی طرف سے اس کارروائی کا باریک بینی سے تجزیہ اور بصیرت افروز اور چشم کشا تبصرے بھی سامنے آئیں گے۔

اس کتاب کا مطالعہ یہ بات واضح کردیتا ہے کہ خلافت احمدیہ کی تائید و نصرت کا خدا تعالیٰ کا وعدہ نہایت شان سے پورا ہوا۔

قومی اسمبلی کی اس کارروائی میں جماعت احمدیہ کا وفد ایک گواہ کی حیثیت سے پیش ہوا اور جماعت احمدیہ کا مؤقف ایک محضر نامہ کی صورت میں پڑھا گیا اور جماعت احمدیہ کا یہ مؤقف پیش کیا گیا کہ قانون کی رُو سے، عقل کی رُو سے اور قرآنی تعلیمات اور احادیث نبویہ کی رُو سے دنیا کی کوئی بھی پارلیمنٹ یا اسمبلی اس سوال کے بارے میں فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ اس کے بعد ممبرانِ قومی اسمبلی نے گیارہ روز تک جماعت احمدیہ کے وفد سے سوالات کئے۔ اس کارروائی کے دوران ہی اس کا ریکارڈ محفوظ کرنے کے حوالے سے ایسی باتیں سامنے آئیں جن سے یہ بات واضح ہوتی تھی کہ انصاف کے معروف تقاضے پورے نہیں کئے جارہے۔ دنیا بھر کی عدالتوں میں یہ طریقہ کار ہے کہ جب کوئی گواہ بیان دیتا ہے تو اس کے بیان کا تحریری ریکارڈ گواہ کو سنایا جاتا ہے اور دکھایا جاتا ہے اور وہ اس بیان کو تسلیم کرتا ہے تو پھر یہ بیان ریکارڈ کا حصہ بنتا ہے۔ لیکن اس کارروائی کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے فرمایا کہ ہمیں بھی اس کی کاپی دی جائے لیکن انکار کیا گیا اور ایک ممبر اسمبلی کی طرف سے بھی یہ سوال اٹھایا گیا کہ کیا جماعت احمدیہ کے وفد کو اس کی کاپی دی جائے گی تو سپیکر صاحب نے کہا کہ ان کو اس کی کاپی نہیں دی جائے گی۔ حالانکہ دنیا بھر کی عدالتوں میں اور پارلیمنٹری کمیٹیوں میں بھی جب کوئی گواہ پیش ہوتا ہے تو گواہ کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی گواہی کا تحریری ریکارڈ ملاحظہ کرے اور اگر اس میں کوئی غلطی ہو تو اس کی نشاندہی کرکے اسے درست کرائے۔ بلکہ اگر گواہ پسند کرے تو اضافی تحریری مواد بھی ریکارڈ میں شامل کرسکتا ہے۔ لیکن قومی اسمبلی (سپیشل کمیٹی) میں بطور گواہ پیش ہونے والے جماعت احمدیہ کے وفد کو اُس کے بیان کا تحریری ریکارڈ نہیں دکھایا گیا۔ بلکہ یہ ظلم کیا گیا کہ جس دن قومی اسمبلی نے آئین میں دوسری ترمیم کی منظوری دی اُسی روز وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے قومی اسمبلی میں تقریر کی اور کہا کہ گو ابھی اس کارروائی کو خفیہ رکھا گیا ہے لیکن بعد میں اس کو منظر عام پر لایا جائے گا۔

اگرچہ بعد میں بھی یہ کارروائی تو منظر عام پر نہ آئی لیکن اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ قومی اسمبلی کی سپیشل کمیٹی کی کارروائی کا تحریری ریکارڈ مرتب کرنے کا کام مولوی ظفر احمد انصاری کے سپرد کیا گیا ہے تاکہ وہ "حسب خواہش" اس کارروائی کو اغلاط سے پاک کرکے محفوظ کرنے کا کام شروع کریں۔

یہ مولوی جماعت احمدیہ کے اشد مخالفین میں سے تھے اور بطور رکن اسمبلی، قومی اسمبلی میں ان کے سوالات اور تقاریر اس بات کا ثبوت ہیں۔ حیرت ہے کہ جو لوگ اس معاملہ میں مدعی تھے وہ خود ہی قاضی بن گئے اور پھر ستم ظریفی یہ ہوئی کہ اپنی غلطیوں کی تصحیح کرنے کے لئے خفیہ کارروائی کا ریکارڈ اپنے ہی ایک رُکن کے سپرد کردیا تاکہ وہ اس کو درست کرکے مرتب کرے۔ افسوسناک امر یہ بھی ہے کہ یہ ریکارڈ مولوی ظفر انصاری صاحب کے سپرد کرنے کے بعد ایک طویل خاموشی طاری ہوگئی

اور کچھ معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ کن اغلاط کی تصحیح میں مصروف رہے ہیں۔

گزشتہ چار دہائیوں میں جماعت احمدیہ کی طرف سے بار بار یہ مطالبہ کیا گیا کہ اس کارروائی کو منظر عام پر لایا جائے لیکن دوسری طرف سکوتِ مرگ طاری تھا۔ مولوی حضرات اس حوالہ سے متضاد بیانیاں تو کرتے رہے لیکن یہ مطالبہ نہ کرتے کہ اس کارروائی کے اصل ریکارڈ کو منظر عام پر لایا جائے۔ یہ طبقہ مولویاں اس خوف کے آسیب سے باہر نہ آسکا کہ کہیں حقائق منظر عام پر نہ آجائیں۔ آخر کار 36 سال بعد لاہور ہائی کورٹ میں دائر ہونے والے ایک مقدمہ کے نتیجہ میں عدالت نے اس کارروائی کو منظر عام پر لانے کا حکم دیا جس کے بعد سپیکر نے اس کارروائی کو شائع کرنے کی اجازت دی۔

جب یہ کارروائی شائع ہوئی تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ حقائق چھپانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کا مؤقف جو ایک محضرنامہ پر مشتمل تھا اور خصوصی کمیٹی کی کارروائی کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے یہ مؤقف خود پڑھ کر سنایا تھا، وہ ''محضرنامہ'' شائع کی جانے والی کارروائی میں شامل نہیں کیا گیا۔ لیکن اس کے برعکس جماعت کے مخالفین کی طویل تقاریر اِس میں شامل اشاعت کی گئی تھیں۔ اسی طرح محضرنامہ کے ضمیمے کے طور پر جماعت احمدیہ نے جو مضامین اور کتابچے جمع کرائے تھے، وہ بھی اس اشاعت میں شامل نہیں کئے گئے لیکن مخالفین کے ضمیمے اس کی اشاعت کا حصہ بنا دیئے گئے۔

شائع کی جانے والی کارروائی میں بعض جگہوں پر نمایاں سرخیاں لگا کر خلاف واقعہ تأثر پیدا کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ مثلاً 30 اگست 1974ء کے روز کی کارروائی کے ریکارڈ میں ایک جگہ یہ ہیڈنگ درج ہے: ''مرزا ناصر احمد صاحب سے''۔ اور پھر نیچے کچھ سوالات درج ہیں۔ تأثر یہ دیا گیا ہے کہ گویا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے یہ سوالات کئے گئے تھے اور آپؒ نے ان کا کوئی جواب نہیں دیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اُس روز حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ یا جماعت احمدیہ کے وفد کا کوئی رُکن وہاں موجود ہی نہیں تھا اور نہ یہ سوالات کبھی اُن تک پہنچائے گئے۔ خدا جانے یہ سوالات کس سے کئے جارہے تھے۔

قومی اسمبلی کے قوانین میں درج ایک قاعدہ کے مطابق کسی گواہ کے بیان کا حرف بحرف ریکارڈ رکھنا ضروری ہے۔ لیکن شائع ہونے والی کارروائی میں اس قاعدہ کے برخلاف طریق اختیار کیا گیا ہے مثلاً جن مقامات پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے حوالہ کے طور پر عربی عبارت پڑھی ہے وہاں اصل عبارت کی جگہ صرف ''عربی'' لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ حیرت ہے کہ مولوی ظفر انصاری صاحب اور اسمبلی کے ممبران کئی مولوی صاحبان کو عربی دانی کا دعویٰ تھا۔ لیکن اگر یہ سب عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھے تو حسب قواعد ضروری تھا کہ جماعت احمدیہ کے وفد کو متعلقہ حصہ دکھا کر اصل عبارت درج کر لی جاتی۔ اس گروہِ مولویان کو ایسا کونسا خوف دامنگیر تھا جس نے انہیں انصاف کے اس ادنیٰ تقاضے کو پورا کرنے سے روکے رکھا!

اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو مذکورہ وجوہات کی بنیاد پر جماعت احمدیہ اس کارروائی کی اشاعت کو مکمل یا جزوی طور پر مسترد کردے تو یہ جماعت احمدیہ کا حق ہے۔ لیکن جماعت احمدیہ کی طرف سے محترم ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صاحب نے اس چیلنج کو نہایت جرأت سے قبول کیا ہے اور چھپائے جانے والے حقائق اور فریق مخالف کے مؤقف کی کمزوری کو تلاش کر کے نہایت خوبصورتی سے اس کتاب میں بیان کیا ہے۔ بلکہ جماعت کے خلاف چلائی جانے والی معاندین کی اس خوفناک تحریک کے پس منظر اور پیش منظر سمیت قریباً تمام پہلوؤں کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے کہ حقیقت شناسی کا مرحلہ بہت آسان نظر آنے لگا ہے۔

1974ء میں جماعت احمدیہ کے خلاف چلائی جانے والی اس تحریک کا پس منظر یوں ہے کہ دشمن یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ حضرت مصلح موعودؓ کی وفات کے ساتھ ہی یہ جماعت ختم ہوجائے گی۔ حضرت مصلح موعودؓ کی طویل علالت کے دوران مخالفین نے اپنے لٹریچر میں بارہا اس امید کا اظہار کیا تھا۔ لیکن خلافتِ ثالثہ کے آغاز کے ساتھ ہی جماعت احمدیہ کی ترقیات کے نئے ابواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ مغربی افریقہ کے دورہ کے ساتھ ہی وہاں کی جماعتی ترقیات سب کے سامنے آگئیں۔ حضورؒ نے اسی دوران نصرت جہاں آگے بڑھو سکیم کے آغاز کا اعلان بھی فرمایا اور دورہ سے واپسی پر احمدی ڈاکٹروں سے خطاب کرتے ہوئے حضورؒ نے فرمایا کہ ''ہماری اس سکیم (نصرت جہاں سکیم) کا اس وقت تک جو مخالفانہ ردّعمل ہوا ہے وہ بہت دلچسپ ہے۔ ...... جماعت اسلامی کی مجلس عاملہ نے یہ ریزولیشن پاس کیا ہے کہ ویسٹ افریقہ میں احمدیت اتنی مضبوط ہوچکی ہے کہ وہاں ہم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اس واسطے پاکستان میں ان کو کچل دو تاکہ وہاں کی سرگرمیوں پر اس کا اثر پڑے اور جماعت کمزور ہوجائے۔ بالفاظِ دیگر جو ہمارا حملہ وہاں عیسائیت اور شرک کے خلاف ہے اسے کمزور کرنے کے لئے لوگ یہاں سکیم سوچ رہے ہیں۔ ویسے وہ تلوار اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کسی مخالف کو نہیں دی جو جماعت کی گردن کو کاٹ سکے''۔

پاکستان میں 1970ء میں ہونے والے عام انتخابات میں مذہبی جماعتیں کہلانے والی سیاسی پارٹیوں کو ہمیشہ کی طرح یہ توقع تھی کہ اُن کو ان انتخابات میں بہت بڑی کامیابی ملے گی اور وہ یہ دعویٰ کر رہی تھیں کہ اقتدار ملنے کے بعد جماعت احمدیہ کی ترقی کو روک دینا اُن کے لئے کوئی مشکل نہیں ہوگا۔ لیکن جہاں اِن نام نہاد دینی سیاسی جماعتوں کا ماضی ایسا تھا جس سے واضح ہوتا تھا کہ انہیں پاکستان کی سلامتی اور اس کی آزادی سے کوئی زیادہ دلچسپی نہیں ہے بلکہ وہ اپنے منشور کے مطابق عمل کرنے کی پابند ہیں۔ وہاں مشرقی پاکستان میں صوبائی خودمختاری کے نام پر عوامی لیگ کی جیت یقینی نظر آتی تھی اور خطرہ تھا کہ اگر کوئی سیاسی جماعت اکثریت حاصل نہ کرسکی تو مغربی پاکستان میں صوبائی سطح پر سیاسی ابتری اور عدم استحکام پیدا ہوجائے گا۔ جس کا نتیجہ پاکستان کی کمزوری اور حکومت کی بے بسی کی صورت میں ہی نکل سکتا تھا۔

اس مرحلے پر پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو نے جماعت احمدیہ سے رابطہ کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی اجازت سے حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحبؒ نے بھٹو صاحب سے ملاقات کرکے اُن کی انتخابی مہم کا جائزہ لیا۔ بھٹو صاحب کو امید تھی کہ جماعت اُن کی مالی مدد کرے گی۔ لیکن اُنہیں بتایا گیا کہ یہ ممکن نہیں ہوگا کیونکہ جماعت احمدیہ ایک مذہبی جماعت ہے اور وہ اس طرح ایک سیاسی

پارٹی کی مدد نہیں کرسکتی۔ پیپلز پارٹی کے امیدواروں کی فہرست دیکھ کر حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ نے کہا کہ اس میں اکثریت کمیونسٹ حضرات کی ہے اور اگر یہ لوگ بھٹو صاحب کی مقبولیت کی آڑ میں کامیاب ہوگئے تو پاکستان پر کمیونسٹوں کا قبضہ ہوجائے گا۔ اس پر بھٹو صاحب نے پارٹی کے سینئر لیڈروں کے مشورہ کے بعد اعلان کیا کہ یہ لسٹ حتمی نہیں ہے۔ بالآخر نئی لسٹ میں کمیونسٹ حضرات کی تعداد کافی کم تھی۔

بہرحال ان انتخابات میں احمدیوں کی اکثریت نے پیپلز پارٹی کے حق میں حق رائے دہی استعمال کیا۔ 1973ء کی جماعت احمدیہ کی ایک ہنگامی مجلس شوریٰ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے انتخابات کے حوالہ سے تفصیلی تجزیہ کرتے ہوئے مختلف سیاسی و مذہبی پارٹیوں کے ظاہری اور باطنی دعووں کو بیان فرمایا اور بتایا کہ جماعت احمدیہ نے پیپلز پارٹی سے تعاون کا فیصلہ پاکستان کے استحکام اور بہتری کی خاطر ہی کیا تھا۔ کیونکہ اکثر نام نہاد اسلامی پارٹیوں کو اس بات پر بھی اعتراض تھا کہ احمدی اپنا حق رائے دہی کیوں استعمال کررہے ہیں اور اُن کے لئے جداگانہ طریق کار ہونا چاہئے۔ اگرچہ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کو بھی یہ شکوہ تھا کہ جماعت احمدیہ اُن کی اتنی مدد کررہی ہے تو پوری طرح اُن کا ساتھ کیوں نہیں دیتی۔ تاہم ایک مذہبی جماعت ہونے کے ناطے جماعت احمدیہ کا تعاون پاکستان کے استحکام کی خاطر ہی تھا ورنہ کسی ایک پارٹی کی حمایت کرنے کے خطرناک نتائج بھی نکل سکتے تھے۔

انتخابات کے اُن ایام میں احمدیت کے خلاف سرگرم عمل نیم سیاسی مذہبی پارٹیاں ایک طرف تو باہم ایک دوسرے سے دست و گریبان تھیں اور آپس کی دشمنی میں بھی مخالفین پر یہ الزام لگا رہی تھیں کہ گویا اُنہیں قادیانی جماعت کی حمایت حاصل ہے۔ دوسری طرف بھٹو صاحب سے بھی اس بارہ میں سوالات کئے جارہے تھے کہ کیا اُن کا جماعت احمدیہ سے کوئی معاہدہ ہے یا کیا وہ اقتدار میں آکر قادیانیوں کو غیرمسلم قرار دیں گے؟ ایسے سوالوں کا جواب بھٹو صاحب یہی دیا کرتے تھے کہ اُن کی پالیسی یہ ہے کہ ملک میں سوشلسٹ نظام رائج کریں جس میں تمام طبقوں کے عوام کا تحفظ کیا جاسکے۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ احمدیوں نے دیگر سیاسی و مذہبی جماعتوں کے مقابلہ پر پیپلز پارٹی کی حمایت کی۔

بہرحال انتخابات میں تمام مذہبی جماعتوں کو شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس شکست کے بعد نام نہاد مذہبی سیاستدان چور دروازوں سے سیاسی منظر میں اور پھر اقتدار کے ایوانوں میں داخل ہونے کی منصوبہ بندی کرنے لگے اور اس مقصد کے لئے ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر جماعت احمدیہ کے خلاف تحریک چلا کر اپنے مذموم مقاصد پورے کئے۔

بعد میں پیپلز پارٹی کے بعض مفاد پرستوں نے بھی اپنی سیاسی ساکھ بڑھانے کے لئے اور اپنے سیاسی دشمنوں کو رام کرنے کے لئے احمدیوں کے جائز حقوق غصب کرنے کی باتیں شروع کردیں۔ اس دوران پاکستان کا آئین بھی منظور کیا گیا۔ یہ آئین متفقہ طور پر منظور کروانے کے لئے اراکین اسمبلی کو رشوت بھی دی گئی۔ بلکہ ایک مولوی صاحب کو بھٹو صاحب نے اپنے دفتر میں بلایا اور اُن کو دی جانے والی رشوت کی رقم دفتر میں اِدھر اُدھر پھینکی جسے مولوی صاحب گھٹنوں کے بل رینگ رینگ کر اٹھاتے رہے۔ اور بالآخر 1973ء کا آئین متفقہ طور پر منظور کرلیا گیا جس میں احمدیوں کے خلاف قانونی اور آئینی کارروائی کرنے کے لئے بطور تمہید بعض دفعات کی منظوری دی گئی۔ مثلاً آئین میں ''ختم نبوت کا حلف نامہ'' بھی شامل کرلیا گیا جو صدر اور وزیراعظم کے لئے ضروری تھا۔ اسی طرح اگرچہ اراکین اسمبلی کے لئے مسلمان ہونے کی شرط نہیں تھی لیکن اُن کے لئے یہ اقرار کرنا ضروری تھا کہ غیرمسلم ہونے کے باوجود وہ نظریۂ اسلامی کی حفاظت کے لئے کوشاں رہیں گے۔ گویا احمدیوں کے خلاف قانون سازی کی بنیاد دراصل 1973ء کے آئین میں رکھ دی گئی تھی۔

اس کتاب میں کشمیر اسمبلی میں جماعت احمدیہ کے خلاف پیش ہوکر یکطرفہ طور پر منظور ہونے والی قرارداد کی سرگزشت بھی بیان کی گئی ہے جس کے تحت احمدیوں پر پابندیاں لگانے کا آغاز کیا گیا۔ اس قرارداد کی منظوری پر رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری نے تار کے ذریعہ پاکستان کے صدر بھٹو کو مبارکباد دی (گویا یہ کارنامہ صدر بھٹو نے سرانجام دیا ہو) اور انہوں نے دنیا کے مسلمان ممالک سے یہ اپیل بھی کی کہ وہ اپنے ممالک میں قادیانیوں کو غیرمسلم قرار دیں۔

اس کتاب میں محترم ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صاحب نے احمدیت کے خلاف عالمی سطح پر ہونے والی سازشوں سے بھی نہایت عمدگی سے پردہ اٹھایا ہے اور 1974ء میں احمدیوں کے خلاف چلائی جانے والی تحریک کے تمام پہلوؤں کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد جماعت احمدیہ کو اپنے قانون میں غیرمسلم قرار دینے والوں کے جرنیل بھٹو صاحب کے انجام کو بھی بیان کیا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کے مواد کی تیاری کے دوران متعدد افراد کے انٹرویو بھی لئے اور اُن کی آراء بھی قلمبند کرکے پیش کی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب ہم نے ڈاکٹر مبشر حسن صاحب سے سوال کیا کہ آپ کے نزدیک اس قرارداد اور آئینی ترمیم کا ملک اور قوم پر کیا اثر پڑا؟ تو اُن کا جواب تھا: ''بہت بُرا اثر پڑا۔ نہایت بُرا اور دُور رَس''۔ ''آپ دیکھ تو رہے ہیں گورنمنٹ کا کیا حشر ہوا۔ ان کی پارٹی کا کیا حشر ہوا۔ اس سے بُرا ہوسکتا تھا؟''۔

اس کتاب کے آخری صفحات میں 1974ء کے فیصلہ کے منطقی انجام کو مختلف حوالوں سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ آج وہ حالات ہیں جب پاکستان میں نہ صرف فوجی مراکز کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا جارہا ہے بلکہ عام مسلمان بھی قتل و غارت کا شکار ہورہے ہیں اور یہ عمل کسی طرح بھی اسلامی نہیں کہلاسکتا۔ آج پاکستان میں مسلمان کہلانے والوں کے کردار کے بارہ میں وہاں کے اخبارات اور میڈیا کے دیگر ذرائع جو کچھ بیان کررہے ہیں وہ اہل بصیرت کی چشم کشائی کے لئے بہت کافی ہونا چاہئے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب پر تبصرہ لکھنا یا اس کے مندرجات کو خلاصۃً بیان کرنا اور پھر اس کے منتخب حصوں کو ان صفحات کی زینت بنانا یقیناً کارِ دارد ہے۔ لیکن اس کتاب کا مطالعہ قاری کے ذہن میں موجود کئی نقشوں کو یکسر تبدیل کردینے کی بلاشبہ صلاحیت رکھتا ہے۔ 525 صفحات پر مشتمل A5 سائز کے بڑے صفحات کی یہ کتاب Hard Cover کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ لکھائی اور چھپائی بہت عمدہ ہے۔ لیکن ان ظاہری خوبیوں کے باوجود اس کتاب کا اصل تعارف خود یہ کتاب ہے۔

نوٹ: اگر آپ بھی اپنی کسی پسندیدہ کتاب کا تعارف ''انصار ڈائجسٹ'' کی زینت بنانے کے خواہشمند ہیں تو براہ کرم درج ذیل فون نمبر پر رابطہ فرمائیں:

07947408144